فقہی مذاہب کا ارتقاء

علامہ ابوامینہ بلال فلپس

Marfat.com

212203
DATA ENTERED

تاریخ المذاهب الفقهیه

The Evolution of Fiqh

فقہی مذاہب کا ارتقا

علامہ ابوامینہ بلال فلپس

ترجمہ

ابن احمد نقوی

المشرق

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۴ھ......۲۰۱۳ء

نام کتاب : فقہی مذاہب کا ارتقا
مصنف : علامہ ابوامینہ بلال فلپس
مترجم : ابن احمد نقوی
اہتمام : المشرق، لاہور
مطبع : شفیق پریس، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، پاکستان
فون:0092-42-37239884،37320318
ای میل:kitbsaray@hotmail.com

نفیس
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

فہرست

صفحہ	مضامین
۷	عرض ناشر
۱۰	مولف کتاب کی سوانح
۱۱	تعارف
۱۴	**۱- پہلا مرحلہ**-بنیاد
//	قانون سازی کا طریقہ
۱۷	قرآن عظیم کے عام موضوعات
//	دور مکی (۶۲۲-۶۰۹ء)
۱۸	دور مدنی (۶۳۲-۶۲۲ء)
۱۹	قرآن عظیم کے موضوعات قوانین
۲۰	قرآن عظیم میں قانون سازی (شریعت) کی بنیاد
۲۳	۱-مشکلات رفع کرنا
۲۴	۲-مذہبی فرائض کم کرنا
۲۷	۳-فلاح عام کا حصول
۳۴	۴-عمومی انصاف کا حصول
۳۵	اسلامی شریعت کے ماخذ
۴۱	خلاصہ
۴۳	**۲-دوسرا مرحلہ**-قیام
//	حل مسائل کے لئے خلفائے راشدین کا طریقہ عمل
۴۴	اجتہاد کے بارے میں صحابہ کا طرز عمل

Marfat.com

مضامین	صفحہ
مسلکی اختلاف	۴۵
اس دور میں فقہ کی خصوصیات ✓	۴۶
خلاصہ	۴۸
۳-**تیسرا مرحلہ**-تعمیر و تشکیل	۵۰
فقہ پر اثر انداز ہونے والے عوامل	//
امت میں افتراق	۵۱
فقہ کی تدوین	۵۵
خلاصہ	۵۶
۴- **چوتھا مرحلہ**-عروج	۵۷
فقہ کا فروغ	//
ائمہ عظام کا دور	۵۸
اسلامی قوانین کے ماخذ	۶۴
خلاصہ	۶۶
۵-فقہی مذاہب: اسلامی قوانین کے مکاتب فکر	//
حنفی مسلک	۶۸
اوزاعی مسلک	۷۲
مالکی مسلک	۷۳
زیدی مسلک	۷۸
لیثی مسلک	۸۲
ثوری مسلک	۸۳
شافعی مسلک	۸۴
حنبلی مسلک	۸۷

Marfat.com

مضامین	صفحہ
ظاہری مسلک	۹۰
جریری مسلک	۹۲
خلاصہ	//
۶-متضاد احکام کے اہم اسباب	۹۳
الفاظ کے معنی	۹۴
روایت حدیث	۹۷
بعض اصولوں کا قابل قبول ہونا	۹۹
قیاس کے طریقے	۱۰۰
خلاصہ	//
۷-**پانچواں مرحلہ**-استحکام	۱۰۱
چار فقہی مسلک	//
فقہ کی تدوین	۱۰۳
خلاصہ	//
۸-**چھٹا دور**-جمود وزوال	۱۰۵
تقلید کا فروغ	//
تقلید کے اسباب	۱۰۷
فقہ کی تدوین	۱۰۸
مصلحین	۱۱۰
خلاصہ	۱۱۵
۹-ائمہ اور تقلید:	۱۱۶
امام ابوحنیفہ	۱۱۸
امام مالک بن انس	۱۲۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ
امام شافعی	۱۲۱
امام احمد بن حنبل	۱۲۲
ائمہ کے تلامذہ	۱۲۳
تبصرہ	//
خلاصہ	۱۲۶
امت میں اختلافات	۱۲۷
صحابہ میں اختلافات	۱۳۲
۱۰-اختتام:	۱۳۶
حرکی فقہ	۱۳۷
مجوزہ اقدامات	۱۳۸
تضاد اور تصادم کی نوعیت رکھنے والے اختلافات	۱۳۹

☆☆☆

Marfat.com

عرض ناشر

اسلام کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ دین کے اس سرچشمہ سے انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل دستیاب ہے، تاہم پھیلتی اور تیزی سے بدلتی دنیا میں ہر دور میں نئے مسائل درپیش ہوتے رہتے ہیں اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے انسان کو رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ ظاہر ہے بعض ایسے مسائل بھی ہوتے ہیں جن کا واضح حل کتاب وسنت سے نہیں مل پاتا کیونکہ تغیرات زمانہ سے ایسے نئے مسائل سامنے آتے ہیں جن کا عہد سعید نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم میں تصور بھی نہیں تھا۔ اسلام ایک حرکی مذہب ہے لہٰذا اس نے انسان کو فکر وتعقل کی ترغیب دی، قرآن عظیم میں تفکر تدبر تعقل کے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ دین کے معاملے میں بھی مومن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے ذاتی و معاشرتی مسائل کا حل تلاش کرلے۔ اس کی ایک مثال حضرت معاذ ابن جبل کا واقعہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو رخصت کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ جو مقدمات تمہارے روبرو پیش کئے جائیں گے انہیں کیسے حل کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مسئلے میں کتاب الٰہی سے ہدایت دستیاب نہ ہوئی تب کیا کرو گے۔ میں سنت سے رہنمائی حاصل کروں گا، معاذ نے عرض کیا۔ فرض کرو اگر وہاں سے بھی مسئلہ کا حل نہ مل سکا تو کیا کرو گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اس پر اس جلیل القدر صحابی نے پراعتماد لہجہ میں عرض کیا: ایسی صورت میں میں اپنی عقل پر بھروسہ کروں گا۔ اس جواب سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے، معاذ کی تحسین فرمائی اور کامیابی کی دعا دی۔ یہ اجتہاد کی پہلی مثال ہے۔ جب اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر دیگر علاقوں میں پہنچا اور لوگ فوج در فوج اسلام کے دامن عافیت میں آنے لگے تو نئے معاشرتی اور دیگر مسائل پیدا ہوئے۔ ان کے حل کے لئے لوگوں نے علماء سے رجوع کیا، علماء نے کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے ان مسائل کا حل پیش کیا اور یوں فقہ کی

Marfat.com

بنیاد پڑی۔ اجتہاد کی یہ شکل خلفاء راشدین کے دور میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں آسان نہ ہوتا تو خلفاء راشدین صحابہ کی مجلس طلب کرتے اگر کسی صحابی کو کوئی ایسی حدیث یاد ہوتی جو اس مسئلہ کا حل پیش کرسکے تو اس کی تصدیق کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ورنہ غور وفکر کے بعد اجماع کو ترجیح دی جاتی تھی یعنی جس حل پر سب متفق ہوں۔ اس طرح اجتہاد، اجماع، قیاس (رائے) کی روایت قائم ہوئی۔ پھر ائمہ عظام نے اجتہاد کے ذریعہ مسائل کا حل پیش کیا، وہ قرآن وسنت پر انحصار کرتے یا پھر اس کی روشنی میں قیاس (اجتہاد) کرکے فیصلہ صادر کرتے لیکن ائمہ نے ہمیشہ اسے واضح کیا کہ اصل مدار عمل حدیث ہے۔ صحیح حدیث مل جائے تو میرا مذہب وہی ہے۔ فرمایا: ''اترکوا قولی بخبر الرسول ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مل جائے تو اس پر عمل کرو میرے قول کو چھوڑ دو۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ فقہ مسلکوں میں بٹ گیا۔ ہر امام کے ماننے والوں نے اپنا الگ وجود اور شناخت قائم کرلی اور جسارت یہاں تک بڑھی کہ فقہ کو قرآن وسنت سے بھی زیادہ اہمیت دی جانے لگی۔ اجتہاد فقہ کی بنیاد ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں غور وفکر کے ذریعہ مسائل کا حل تلاش کرنا اجتہاد ہے لیکن ائمہ کے مقلدین نے فکر وعمل کو چھوڑ کر جمود کو اپنایا ان کے علماء نے فتوے دیئے کہ ائمہ کی رائے کے علاوہ اور اس سے باہر کوئی راستہ نہیں ہے، امام کی رائے حرف آخر ہے اس کے بعد کسی غور وفکر کی ضرورت یا اجازت نہیں ہے۔ اس طرح اسلام میں انحطاط وجمود کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں اسلام کو کس قدر نقصان اٹھانا پڑا حرکت فکر وعمل سے دستبردار ہوکر مسلمان کس طرح دنیا اور وقت سے پچھڑ گئے یہ بڑی دردناک داستان ہے آج بھی پیروان فقہ جمود فکر کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

علامہ ابو امیہ بلال فلپس نے اپنی انگریزی کتاب The Evolution of Fiqh (تاریخ المذاہب الفقہیہ) میں اس داستان کو تفصیل اور تاریخی حوالوں سے پیش کیا ہے اور ایک حرکی فقہ کی تشکیل پر زور دیا ہے۔ اپنے موضوع پر یہ ایک بے حد اہم دستاویز ہے۔ کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر الکتاب انٹرنیشنل نے اس کا اردو ترجمہ فقہی مذاہب کا ارتقا کے نام سے شائع کیا ہے۔

Marfat.com

یہ کتاب علوم اسلامی (اسلامک اسٹڈیز) کے طلباء اور سکالرز کے لئے بطور خاص مفید ہے۔ جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ کتاب ان کے لئے تاریخی معلومات کا خزانہ ہے۔ درحقیقت یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر مسلمان کو مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ فقہ کے اصول اس کے آغاز و ارتقاء اور انحطاط و جمود کے ادوار و مراحل سے بخوبی آگاہ ہو سکے۔ اور ایک حرکی فقہ (Dynamic Fiqh) کی تشکیل کے لئے ذہنی طور پر خود کو سرگرم عمل کر لے۔

ہم اپنے سرپرستوں کے ممنون ہیں کہ وہ ہماری اس کاوش میں ہمارے ہم قدم ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جدوجہد میں کامرانی عطا فرمائے۔ آمین

Marfat.com

مؤلف کتاب کی سوانح (ترجمہ)

جناب ابوامینہ بلال فلپس جمائیکا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی پرورش و پرداخت کنیڈا میں ہوئی جہاں ۱۹۷۲ء میں انہوں نے اسلام قبول کیا، انہوں نے عربی میں ایک ڈپلومہ کورس کی تکمیل کی اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں انہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اصول دین میں بیچلر آف آرٹ (بی،اے) کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۵ء میں انہوں نے ریاض یونیورسٹی سے اسلامیات میں ایم اے کیا۔ ۱۹۷۹ سے ۱۹۸۷ء تک وہ مینارۃ الریاض اسکول میں ثانوی اور اعلیٰ تر درجات میں عربی و اسلامی دینیات کا درس دیتے رہے۔ اس وقت وہ ویلز یونی ورسٹی میں اسلامی مطالعات میں دکتورہ پروگرام سے منسلک ہیں، ان کی مطبوعہ کتابوں میں جنات پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مقالات کا ترجمہ عربی خطاطی (مسودات) شیعوں پر شیطان کی تلبیس، خمینی ایک معتدل یا انتہا پسند شیعہ، اور ایرانی سراب، وہ اسلام میں کثرت ازدواج نامی کتاب کے بھی شریک مصنف ہیں۔ اور قرآن عظیم کے اعدادی معجزے مفروضے اور بدعت بھی ان کی تصنیف ہے۔ فقہی مذاہب کا ارتقاء، تفسیر سورۃ الحجرات، انصار کی دعوت، تعبد کے بنیادی اصول، اس کے علاوہ حج وعمرہ قرآن وسنت کے مطابق بھی ان کی اہم تصانیف ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

تعارف

فقہ اور شریعت:

اسلامی قوانین کے تاریخی ارتقاء کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے فقہ اور شریعت کی اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے۔ انگریزی میں فقہ کا ایک عام سا ترجمہ اسلامی قانون کیا جاتا ہے اور شریعت کا بھی یہی ترجمہ کیا جاتا ہے لیکن عربی زبان یا علماء دونوں کے نزدیک یہ اصطلاحیں ہم معنی نہیں ہیں۔

فقہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو سمجھنا مطلوب ہے اسے صحیح طور پر سمجھنا۔ اس کی ایک مثال حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے خیر چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ (فقہ) عطا کرتا ہے۔ (معاویہ کی روایت پر اسے بخاری نے نقل کیا ہے) اصطلاحی طور پر فقہ سے مراد وہ علم ہے جس کی بنیاد پر قرآن وسنت کی روشنی میں شہادتوں کی بناء پر مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اسی مفہوم کو مزید وسیع کر کے قوانین کے اس مجموعہ کو بھی فقہ کہا جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے شریعت پانی کے اس چشمہ کو کہتے ہیں جہاں جانور پانی پینے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ یا پھر سیدھا راستہ۔ (صراط مستقیم) قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الجاثیہ:۱۸)

پھر ہم نے تمہارے معاملات میں تمہیں سیدھے راستے (شریعت) پر پہنچا دیا۔ پس تم اسی راہ پر چلو اور ان لوگوں کی پیروی مت کرو جو بے علم ہیں۔

شریعت کا دینی مفہوم:

اس سے مراد وہ مجموعہ قوانین وضوابط ہیں جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے اور قرآن عظیم میں محفوظ ہیں۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی جسے سنت کہا جاتا ہے۔ (المدخل فی التعریف بالفقہ الاسلامی. محمد شلابی بیروت)

Marfat.com

فرق وامتیاز:

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے تین مختلف باتیں سامنے آئیں:

۱-شریعت اس مجموعہ قوانین کا نام ہے جو آسمانوں سے نازل کئے گئے اور قرآن و حدیث میں درج ہیں، جبکہ فقہ اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ شریعت کی بنیاد پر ایسے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کا شریعت میں واضح طور پر ذکر نہیں ہے۔

۲-شریعت ایک مقررہ ضابطہ ہے اور اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی جبکہ فقہ حالات کے مطابق تبدیلی سے آشنا ہوتا رہتا ہے۔

۳-قوانین شریعت عام طور پر عمومی نوعیت کے ہیں وہ بنیادی اصول مقرر کردیتے ہیں۔ اس کے برعکس قوانین فقہ مخصوص نوعیت کے ہوتے ہیں وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پیش آمدہ حالات میں بنیادی قوانین شریعت کا کیسے اطلاق کیا جائے۔

(نوٹ) اس کتاب میں جو فقہ کے ارتقاء کے موضوع پر ہے اسلامی قوانین سے مراد قوانین شریعہ اور قوانین فقہ دونوں ہیں جہاں ان میں فرق اور امتیاز ضروری ہوگا وہاں فقہ یا قوانین فقہ اور شریعہ یا قوانین شریعہ کی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔

۲-کتاب کے آخر میں عربی اصطلاحات کی لغت (معنی) دیئے گئے ہیں جو اس کتاب کی عبارت میں آئے ہیں، کتاب میں انگریزی جمع (واحد کا متضاد) کا استعمال کیا گیا ہے ماسوائے اس کے جہاں عربی لفظ جمع میں زیادہ معروف ہے مثلاً مسلمون کی جگہ مسلمز اور سُوَرْ کی سورہ (قرآنی ابواب) کا استعمال کیا گیا ہے۔

فقہ کا ارتقاء:

فقہ کا ارتقاء مندرجہ ذیل چھ بڑے مراحل میں تقسیم ہوتا ہے۔

۱-بنیاد ۲-قیام ۳-تعمیر ۴-عروج ۵-شیرازہ بندی ۶-جمود اور زوال

۱-بنیاد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد سعید۔ (۶۳۲-۶۰۹ء)

۲-قیام: خلفاء راشدین کا عہد مبارک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات سے لے کر ساتویں صدی کے وسط تک۔ (۶۶۱-۶۳۲ء تک)

Marfat.com

۳-تعمیر و تشکیل: خاندان بنو امیہ کے اقتدار (۶۶۱ء) سے ۸ ویں صدی عیسوی کے وسط میں انحطاط کے آغاز تک)

۴-عروج: ۸ ویں صدی عیسوی کے وسط میں خلافت عباسیہ کے آغاز سے ۱۰ ویں صدی کے وسط میں خلافت کے انحطاط تک۔

۵-شیرازہ بندی: خلافت عباسیہ کے زوال ۹۶۰ء کے قریب سے دسویں صدی عیسوی کے آغاز تک، ۱۲ ویں صدی عیسوی کے وسط میں آخری عباسی خلیفہ کے منگولوں کے ہاتھوں قتل تک۔

۶-جمود اور زوال: ۱۲۵۸ء میں بغداد کے سقوط سے لے کر عصر حاضر تک۔

اس کتاب میں فقہ کے ارتقاء پر متعلقہ ادوار کے سیاسی و اقتصادی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بحث کی گئی ہے کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری فقہ کے ارتقاء اور فقہی مذاہب کے وجود میں آنے اور اسلامی علمی تاریخ میں ان کی خدمات سے آگاہ ہوگا۔ امید ہے وہ اس حقیقت سے بھی باخبر ہوگا کہ ہر فقہی مذہب نے کسی نہ کسی درجہ میں فقہ کے فروغ میں حصہ لیا ہے اور فقہ کا کوئی ایک مذہب اسلام کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتا، تمام مذاہب کا اس میں حصہ ہے بالفاظ دیگر فقہ کی تعیین کسی ایک ہی مکتب فکر سے نہیں ہوتی ہر فقہی مذہب شریعت کے اطلاق کے لئے ایک موثر ذریعہ ہے۔ فقہ اور شریعت کو زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہو کر امت کے اتحاد کے لئے ایک موثر طاقت ہونا چاہئے۔ درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب ہی ایسا ہے جس کی پیروی بلا قیود شرط کی جانی چاہئے۔ اور شریعت کی وہی تعبیر و تشریح قیامت تک قابل قبول ہوگی جو زبان پاک رسالت سے کی گئی ہے اور مرضی الٰہی کے عین مطابق ہے دیگر تمام فقہی مذاہب انسان کے غور و فکر کا نتیجہ ہیں اور انسانی فکر سے خطا و نسیان ممکن ہے جیسا کہ امام شافعی کا حکیمانہ قول ہے، ہم میں سے ایسا کوئی نہیں ہے جس کی کسی نہ کسی حدیث تک رسائی نہ ہو سکی ہو یا کوئی قول نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم اس کے ذہن سے محو نہ ہو گیا ہو اس لئے میں نے خواہ کوئی فتویٰ دیا ہو یا کوئی بنیادی اصول مقرر کیا ہو ان میں کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق نہ ہو لہٰذا صحیح فتویٰ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کے مطابق ہے اور یہی صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ (الحاکم نے اسے غیر منقطع سلسلہ روایات کے تحت امام شافعی سے نقل کیا۔ (ابن عساکر تاریخ دمشق جلد ۱۵)

Marfat.com

پہلا دور:

بنیاد

فقہ کے ارتقاء کا پہلا دور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت (۶۳۲-۶۰۹ عیسوی) پر محیط ہے جبکہ شریعت اسلامی کا واحد ماخذ قرآن عظیم اور سنت نبوی علیہ التحیہ والتسلیم ہے۔قرآن عظیم کے ذریعہ اسلامی طرز حیات کا ایک خاکہ پیش کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی روزمرہ کی زندگی میں روبعمل لا کر قرآن عظیم میں پیش کئے گئے اصول و ضوابط کی تفصیلی شرح پیش کی اسی کے ساتھ ان کے اطلاق کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

شریعت سازی کا طریقہ:

آغاز نبوت یعنی ۶۰۹ء سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ عرصہ قبل یعنی ۶۳۲ء تک تنزیل قرآن عظیم کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ مدت تقریباً ۲۳ سال پر محیط ہے، قرآن عظیم کی یہ آیات مکہ اور مدینہ دونوں جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو پیش آنے والے مسائل کے حل کے لئے نازل ہوتی تھیں۔ بعض آیات ایسی ہیں جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی جانب سے اٹھائے گے سوالات کا براہ راست جواب دیتی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے۔ایسی آیات عموماً اس طرح شروع ہوتی ہیں (اے رسول) وہ لوگ تم سے فلاں کی نسبت سوال کرتے ہیں مثال کے طور پر یہ آیت

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ، قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌم بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ. (البقرہ: ۲۱۷)

وہ لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان مہینوں میں جنگ وجدال ایک سنگین نافرمانی ہے۔اور اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکنا اللہ کا انکار (کفر) کرنا۔لوگوں کو مسجد الحرام (کعبہ) تک رسائی سے روکنا اللہ کے نزدیک گناہ ہے۔

Marfat.com

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا. (البقرہ: ۲۱۹)

(اے نبی) لوگ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دو کہ ان میں بہت بڑی برائی ہے اسی کے ساتھ کچھ لوگوں کو ان سے فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کی برائی ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ.

(اے نبی) تم سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو یہ بیماری (تکلیف) ہے پس اس دوران اپنی عورتوں سے الگ رہو۔

متعدد ایسی آیات بھی ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعض مخصوص حوادث وواقعات کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کی ایک مثال ہلال بن امیہ کی ہے انہوں نے اپنی بیوی پر ایک دوسرے صحابی سے بدکاری کا الزام لگایا۔ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یا تو تم اس تہمت کے بارے میں ثبوت (تین دیگر گواہ) پیش کرو ورنہ تم پر حد قذف (۸۰ کوڑے) جاری کی جائے گی، اس پر ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو مصروف اختلاط دیکھے تو کیا وہ گواہوں کی تلاش میں پھرتا رہے گا۔ لیکن اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثبوت پیش کرنے پر مصر رہے تب حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور قرآن عظیم کی یہ آیات پیش کیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ م بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ م بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (النور: ۶-۹)

وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر (بدکاری کا) الزام لگاتے ہیں لیکن اپنے علاوہ کوئی دوسری گواہی ان کے پاس نہیں ہے ایسے لوگ بطور گواہی اللہ کے نام پر حلف لے کر چار بار اعلان کریں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں اور پانچویں بار یہ کہیں کہ اگر وہ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں تو اللہ کی لعنت ان

Marfat.com

پر ہو۔ اور اگر عورت اللہ کے نام پر حلف لے کر چار بار یہ کہے کہ اس کا شوہر جھوٹ بول رہا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر اس کا شوہر سچا ہے تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو، اس طرح وہ عورت تعذیب سے بچ جائے گی۔

سنت نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم میں بھی یہی طریقہ بروئے کار آتا تھا۔ اکثر باتیں ایسی ہوتی تھیں جو سوالات کے جوابات کے طور پر بیان کی جاتی تھیں یا پھر وہ جو کسی واقعہ یا حادثہ کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم بحری سفر کرتے ہیں تو ہمارے پاس پینے کے لئے صاف پانی ہوتا ہے اگر ہم اس صاف پانی سے وضو کریں تو یہ جلدی ختم ہو جائے گا اور ہم پیاس سے مر جائیں گے۔ تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کے مردہ جانور (مچھلی وغیرہ) حلال ہیں۔

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تالیف و ترتیب شریعت کا یہ طریقہ شرعی ضوابط و قوانین کی تشکیل میں درجہ بندی کی غرض سے تھا، عربوں کے لئے یہی طریقہ زیادہ موزوں تھا چونکہ وہ مکمل آزادیٔ اظہار کے عادی تھے اس طرح انہیں ان اصول اور ضابطوں کو سمجھنے اور یاد کرنے میں بھی آسانی ہوتی تھی کیونکہ اس سے شریعت کے اسباب و علل بھی ان پر واضح ہو جاتے تھے۔ شرعی ضوابط کی تدریجی تالیف و تنفیذ کا یہ عمل مجموعی ضوابط کے بارے میں ہی نہیں تھا بلکہ متعدد انفرادی معاملات میں بھی ضابطہ سازی میں اسے اختیار کیا گیا۔ اس سلسلے میں صلوٰۃ (نماز) کو بطور ایک واضح مثال کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ مکہ کے ابتدائی دور میں نماز دن میں دو بار ادا کی جاتی تھی صبح کے وقت اور دوسری رات کو۔ لیکن ہجرت مدینہ سے کچھ مدت قبل مومنوں پر پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔ یہ نماز صرف دو رکعت پر مشتمل ہوتی تھی مغرب کی نماز میں تین رکعات ادا کی جاتی تھیں۔ جب ابتدائی دور کے مسلمان ادائیگی صلوٰۃ کے عادی ہو گئے تو مقیم کے لئے رکعات کی تعداد میں اضافہ کر کے چار کر دیا گیا ماسوائے مغرب اور فجر جس میں بالترتیب تین اور دو رکعات ادا کی جاتی ہیں۔

Marfat.com

قرآن عظیم کے عمومی موضوعات:

مکہ میں مسلمان ایک مظلوم اقلیت تھے جبکہ مدینہ میں ان کی حیثیت حکمراں طبقہ کی تھی۔ اس لئے مکی اور مدنی دور کی آیات قرآنی میں ایک خاص نوعیت کا فرق ہے اور یہ فرق نمایاں طور پر واضح ہے۔

دور مکی (۶۲۲-۶۰۹ء)

یہ دور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہو کر ہجرت مدینہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں جو آیات قرآنی نازل ہوئیں وہ عموماً اسلام کی نظریاتی تشکیل کے بارے میں ہیں یعنی ایمان اور عقیدہ سے متعلق ہیں تاکہ اولین دور کے مسلمانوں کو اسلامی معاشرہ کی عملی تشکیل کے دشوار مرحلہ کے لئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ دور مکی میں نازل ہونے والی آیات کے یہ بنیادی موضوعات اللہ پر ایمان کو مستحکم کرنے کے کسی نہ کسی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ آیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱-توحید:

مکہ کے اکثر لوگ ایک ذات واحد و برتر کے وجود میں عقیدہ رکھتے تھے جسے عہد قدیم سے اللہ کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن اسی کے ساتھ بعض دیوتاؤں کو بھی مانتے تھے جنہیں وہ بعض خدائی صفات کا حامل قرار دیتے تھے اور ان سے شفاعت کی امید رکھتے تھے۔ لہٰذا مکہ میں نازل ہونے والی بیشتر آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدت پر زور دیا گیا ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ دیوتا (معبودان باطل) کوئی قدرت یا اختیار نہیں رکھتے۔

۲-وجود الٰہی:

مکہ میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو وجود خداوندی کا انکار کرتے تھے لہٰذا انہیں قائل کرنے کے لئے ابتدائی دور کی بعض آیات قرآنی میں وجود باری تعالیٰ کے بارے میں منطقی استدلال پیش کیا گیا ہے۔

۳-حیات اخروی:

کیونکہ عالم آخرت کی زندگی کے بارے میں لوگوں کو کوئی علم نہیں تھا اس لئے قرآن عظیم

Marfat.com

نے آخرت کی زندگی اس کے اسرار و عجائبات اور عذاب و اذیت سے متعلق بڑی تفصیل سے آیات نازل کیں۔

۴۔امم سابقہ: (پہلی امتیں)

دور مکی کی بیشتر آیات میں پچھلی امتوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی تو انہیں برباد کر دیا گیا۔ عاد اور ثمود وغیرہ کی مثالیں بیان کی گئیں۔ یہ ان لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے تھا جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ نیز اسی کے ساتھ مسلمانوں کو اللہ رب العزت کی عظمت و جلالت سے آگاہ کرنا تھا۔

۵۔صلوۃ (نماز)

کیونکہ ایمان (توحید) اور عبادت (صلوٰۃ) میں بڑا نازک رشتہ ہے اس لئے صلوٰۃ کو ایمان و عقیدہ کا دوسرا جز قرار دیا گیا۔ مکہ میں نماز فرض کی گئی یعنی توحید کے اقرار کے ساتھ صلوٰۃ کی ادائیگی کو بھی ایمان کا بنیادی جزو قرار دیا گیا۔

۶۔چیلنج:

چونکہ مشرکین مکہ کو یہ یقین دلانا تھا کہ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کلام ہے اس لئے عربوں کو دعوت (چیلنج) دی گئی کہ اگر وہ اس بارے میں شک میں مبتلا ہیں تو قرآنی آیات جیسا کلام تصنیف کر کے دکھائیں۔

مدنی دور (۶۲۲-۶۳۲ء)

ہجرت سے اس دور کا آغاز ہوتا ہے اور ۶۳۲ء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ دور ختم ہو جاتا ہے۔ مدینہ کو ہجرت اور پھر اسلام کی فاتحانہ اشاعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک حکمراں کی ہوگئی اور مدینہ میں اسلام کے پیرو ایک ابھرتی ہوئی اسلامی ریاست بن گئے۔ لہٰذا اب وہاں جو آیات نازل ہوئیں وہ بیشتر ریاست کی تشکیل اور اس کے قوانین و قواعد کے بارے میں تھیں۔ اور اسی دور میں سماجیات و اقتصادیات سے متعلق آیات نازل ہوئیں اور اسلامی شریعت کے معاشی و معاشرتی اصول مرتب ہوئے۔

Marfat.com

دور مکی میں ایمان اور توحید کے بارے میں جو آیات نازل ہوئی تھیں دور مدنی میں ان کی بنیاد اور زیادہ مستحکم کی گئی۔ تاہم دور مدنی میں نازل شدہ مندرجہ ذیل بنیادی موضوعات کی حامل آیات اسلامی امت کی تشکیل سے متعلق ضروری قوانین وضوابط پر مرکوز ہیں:

۱۔قوانین:

مدنی دور میں ہی اسلام کے تین بنیادی اصولوں کی بابت آیات قرآنی نازل ہوئیں: شراب، لحم خنزیر، قمار بازی (جوا) کے استعمال وارتکاب پر سزا اور بدکاری، قتل اور چوری کی سزا مقرر کی گئی۔

۲۔جہاد:

دور مکی میں مشرکین مکہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرتے تھے لیکن مسلمانوں کو ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ مشرکوں کے مقابلے مسلمانوں کی ہزیمت و تباہی کو روکا جائے اور مسلمانوں کو آلام ومصائب پر صبر کا عادی بنایا جائے۔ مدینہ میں جب مسلمانوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا تب دشمن کے مقابل صف آرا ہونے اور اصول حرب کی بابت آیات نازل ہوئیں۔

۳۔اہل کتاب:

مدینہ میں مسلمانوں کا پہلی بار یہودیوں سے واسطہ پڑا اور عیسائیوں سے بھی وسیع پیمانے پر روابط قائم ہوئے اس لئے مدینہ میں متعدد ایسی آیات نازل ہوئیں جو یہودیوں کے ان اعتراضات کے جواب یا تردید کے لئے تھیں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لاجواب اور اسلام کو بے اعتبار کرنے کے لئے کئے تھے۔ اسی دوران عیسائیوں اور یہودیوں سے سیاسی تعلقات کی حدود اور ان سے شادی بیاہ کے بارے میں آیات کا نزول بھی ہوا۔

۴۔منافقین:

مدینہ میں پہلی مرتبہ ایسے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے جو دراصل اسلام پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگ اس لئے اسلام کے زیر سایہ آگئے تاکہ اندر رہ کر دین کو نقصان

Marfat.com

پہنچائیں۔ اس وقت مسلمان طاقتور تھے اور یہ لوگ علانیہ ان کی یا ان کے مذہب کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے، بعض لوگ مسلمان ہوئے اور پھر مرتد ہو گئے تا کہ دیگر مسلمانوں کو تذبذب میں مبتلا کریں۔ چنانچہ مدینہ میں جو قرآنی آیات نازل ہوئیں ان میں ایسے لوگوں کے عزائم کی پردہ دری کی گئی اور انہیں متنبہ کیا گیا۔ جبکہ بعض دیگر آیات میں ارتداد کی بابت احکام بیان کئے گئے۔

قرآن عظیم مجموعی طور پر جن باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور معلومات فراہم کرتا ہے انہیں تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلی تعلیم:

۱- اللہ رب العزت کی بابت عقیدہ، اللہ کے فرشتوں، صحیفوں، رسولوں اور آخرت کی زندگی کے بارے میں معلومات۔ یہ موضوعات دینیات کے دائرے میں آتے ہیں اور انہیں علم الکلام یا علم العقیدہ کہا جاتا ہے۔

۲- دیگر موضوعات، دل اور روح سے تعلق رکھنے والے اعمال نیز اخلاقی اصول، وہ اعمال صالحہ جو اخلاق و کردار کی پاکیزگی کے ضامن ہوں۔ یہ امور اخلاقی دائرے کے تحت آتے ہیں اور انہیں علم الاخلاق کہا جاتا ہے۔

۳- تیسرے وہ موضوعات ہیں جو انسانی اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان احکامات کے دائرے میں آتے ہیں جو حلال و حرام کے بارے میں ہیں۔ یہ موضوعات شرعی قوانین کہلاتے ہیں۔

(تاریخ تشریع الاسلامی۔ از محمد الخضری بک قاہرہ)

قرآن عظیم اور شرعی ضوابط:

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو جن اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا ہے وہ متفرق اعمال ہیں جن کا قرآن عظیم میں احاطہ کیا گیا ہے۔ ان اعمال کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق: یہ وہ مذہبی شعائر ہیں جو صحیح ارادے اور اخلاص نیت کے بغیر جائز قرار نہیں دئے جا سکتے۔ ان میں سے بعض قطعی طور پر مذہبی شعائر ہیں جیسے نماز اور روزہ دیگر اعمال جیسے زکوٰۃ معاشی و معاشرتی طریق عبادت کے تحت آتے ہیں

Marfat.com

جبکہ حج کا شمار معاشرتی و جسمانی عبادت میں ہوتا ہے۔ یہ چاروں شعائر ایمان کے بعد اسلام کے بنیادی ارکان تسلیم کیے جاتے ہیں۔

۲۔حقوق العباد: ان امور سے متعلق شرعی قوانین وضوابط کو چار ذیلی زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔اسلام کی تبلیغ واشاعت اور تحفظ دین سے متعلق شرعی قوانین اس میں غیر مسلح اور مسلح دونوں قسم کی جدوجہد و جہاد شامل ہے۔

۲۔عائلی قوانین۔قوانین شریعت جو خاندانی نظم کے تحفظ و بقا سے متعلق ہیں ان قوانین کے تحت نکاح، طلاق اور وراثت کے مسائل آتے ہیں۔

۳۔تجارت سے متعلق امور۔اس کے تحت کاروبار، لین دین، اجرت، شرکت و مضاربت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔

۴۔تعزیری قوانین۔خاص کر سزائیں اور مختلف جرائم کے لئے سزا یا معاوضہ۔

(تاریخ التشریع الاسلامی ص ۵-۴-۳)

قرآن عظیم میں قوانین شریعت کی بنیاد:

قرآن عظیم خود اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اس کی تنزیل کا مقصد انسانی معاشرہ کی اصلاح ہے۔اسلام نے جاہلیت (ماقبل اسلام) کے تمام رسوم ورواج کو باطل یا منسوخ نہیں کیا بلکہ اس نے بدعنوانی وخیانت کے ہر پہلو کو ختم کر دیا اور ایسے رسوم ورواج باطل قرار دیئے جو معاشرہ کے لئے مضرت رساں تھے۔اسلام نے سود کو حرام ٹھہرایا کیونکہ اس سے معاشرے کے کمزور افراد کا استحصال کیا جاتا ہے۔بدکاری کو حرام قرار دیا کیونکہ اس سے عورتوں کی بے حرمتی ہوتی ہے اور خاندان برباد ہوتا ہے۔شراب کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ اس سے جسمانی نفسیاتی معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے فرد اور معاشرہ دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔تجارت کے طریقوں کی اصلاح کی گئی اور تجارت کو باہمی رضامندی کا پابند کیا گیا۔نیز ایسے تمام کاروبار ممنوع قرار دئے گئے جن میں فریب کاری کا عنصر شامل ہوتا ہے۔شادی بیاہ کے طریقوں میں بھی اصطلاح کی گئی کچھ باتوں کو درست تسلیم کیا گیا جبکہ بعض کو باطل ٹھہرایا گیا کیونکہ وہ بدکاری یا اس جیسے امور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔طلاق

Marfat.com

کے حق کو تسلیم کیا گیا لیکن طلاق دیئے جانے کی تعداد کو محدود کر دیا گیا۔

اسلام انسانی تہذیب کو برباد کرنے نہیں آیا بلکہ اخلاق و کردار کے نئے اور پاکیزہ تر اصول کو فروغ دے کر ایک نئی اور بہتر تہذیب کے ارتقاء کا عزم لے کر آیا۔ اسلام نے ہر چیز کو انسانی معاشرہ میں اس کے نفع و نقصان کے تناظر میں دیکھا جو چیز مضرت رساں تھی اسے مسترد کر دیا اور جو فائدہ مند اور صالح پہلو تھے انہیں برقرار رکھا اور مستحکم کیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے:

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف: ۱۵۷)

یہ انہیں اچھے کاموں کی تلقین کرتا ہے اور برے اعمال سے روکتا ہے۔ پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

اسلام بنیادی طور پر ایک تعمیری نظام کا داعی ہے تخریب کا نہیں۔ اس کا مقصد اصلاح ہے محض اقتدار اور حکومت قائم کرنا نہیں ہے۔ یہ بات بہر طور ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ اسلام نے جن بعض عرب رسوم و رواج کو برقرار رکھا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے اپنے شرعی قوانین وضوابط دیگر ذرائع سے اخذ کئے ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اسلام جن رسوم و ضوابط کی توثیق کرتا ہے وہ سماوی شریعت کا حصہ نہیں ہیں، اسلام جن باتوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے وہ شریعت کے اجزاء لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض وہ باتیں اور رسوم و رواج تھے جو پچھلی امتوں سے چلے آرہے تھے جنہیں اللہ کے رسولوں نے رائج کیا تھا۔

۲- اسلامی اصول انسانی عقل و شعور کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ یہ ناقابل فہم ہیں بلکہ اس کے برعکس یہ انسانی شعور کو غیر معقول افکار و عقائد سے آزاد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ انسان کی ذہنی و عقلی سرگرمیوں کے مثبت نتائج کو تسلیم کرتے ہیں۔

۳- اگر مثبت اور مستحکم رسوم و رواج کا وجود نہ ہوتا تو اسلام خود انہیں رائج کرتا کیونکہ انسانی معاشرہ کو ایسے مثبت رسوم و رواج کی ضرورت تھی۔

تاہم ایسے رسوم و رواج جنہیں برقرار رکھا گیا ان کی تعداد ان کے مقابلے میں نسبتاً کافی کم تھی جنہیں مسترد اور منسوخ کیا گیا۔ اور جو رسوم اور رواج تسلیم کئے گئے انہیں بھی ان کی موجودہ

Marfat.com

شکل میں قبول نہیں کیا گیا بلکہ صرف ان کے بنیادی عناصر کو ہی باقی رکھا گیا۔(المدخل ص۵۹-۵۷)

اصلاح و ہدایت کا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے شریعت نے اوامر و نہی کے ایسے احکامات صادر کئے جو اسلامی معاشرہ کے ضابطہ اخلاق کی تشکیل کرتے ہیں۔ بہر کیف ان ضوابط کی تشکیل میں قرآن نے مندرجہ ذیل چار اصولوں کو پیش نظر رکھا:

۱۔مشکلات رفع کرنا:

اسلامی نظام انسانی فلاح کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ یہ انسان کو زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایت کی راہ پر لے جاتا ہے تاکہ ایک ایسے صالح معاشرے میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا پابند ہو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکے۔ شرعی قوانین انسان کے لئے بوجھ نہیں ہیں کہ وہ ریاضت کے ذریعہ روحانی درجات حاصل کرے جیسا کہ بعض مسلک ایسا تاثر دینا چاہتے ہیں بلکہ یہ ضوابط شرعی اس انداز سے وضع کئے گئے ہیں کہ انسان کی انفرادی اور معاشرتی ضرورتوں کی تکمیل کریں۔ لہٰذا یہ بات اسلام کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان کو غیر ضروری مشکلات سے بچایا جائے۔ قرآن عظیم میں کم و بیش ہر جگہ ایسی مثالیں موجود ہیں جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ شریعت کا مقصد آسانیاں پیدا کرنا اور مشکلات کو دور کرنا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہیں:

لاَ يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (البقر: ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ زیر بار نہیں کرتا۔

يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ: ۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج: ۷۸)

اس نے دین میں تمہارے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کی۔

يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا. (النساء: ۲۸)

اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان ایک کمزور مخلوق ہے۔

لہٰذا اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام کے ساتھ بعض رخصتیں بھی رکھی ہیں

Marfat.com

مثلاً روزہ قضا کردینا، نماز میں قصر کرنا یا جمع بین الصلوٰتین، شدید ضرورت اور اضطراب میں حرام اشیاء مثلاً لحم خنزیر، شراب وغیرہ کا استعمال جائز قرار دیا گیا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (المائدہ: ۳)

اور اگر کوئی شخص شدید بھوک کی وجہ سے (کوئی حرام شئ کھالے) اور اس کا ارادہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کے لئے اسوہ حسنہ اور احکام شریعت کے نفاذ کا عملی نمونہ تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو باتوں میں سے ایک کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ آسان راہ کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ آسان وسیلہ شرعی اعتبار سے ممنوع نہ ہو۔ (حضرت عائشہؓ کی روایت سے بخاری نے اسے نقل کیا ہے)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو حاکم بنا کر یمن بھیجا تو انہیں تلقین فرمائی کہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا مشکلات پیدا نہ کرنا۔ (بخاری بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)

فقہا اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرعی نازل فرماتے ہوئے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ احکام شرعیہ کے نفاذ میں اس اصول کے تحت متعدد دیگر ضمنی ضابطے بھی بروئے کار لائے جاتے ہیں۔

۲- دینی فرائض میں رخصت:

اوپر بیان کردہ اصول کی بنیاد پر ہی یہ شرعی احکام و فرائض مجموعی طور پر کم رکھے گئے چنانچہ ممنوع افعال و اشیاء اسلام میں بہت کم ہیں جبکہ وہ اعمال اور چیزیں جنہیں براہ راست حکم شرعی کے تحت حلال قرار دیا گیا یا وہ جو حرمت کے کسی حکم کے نہ ہونے یا واضح حرمت نہ ہونے کے سبب حلال قرار دیئے گئے بکثرت ہیں۔ اس بات کو قرآن عظیم میں حلال و حرام کی بابت امور کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ اس کی واضح مثال ہے۔

اس میں حرام امور سے متعلق ضمنی اشیاء کی وضاحت بھی کی گئی ہے جبکہ حلال اشیاء کے بارے میں ایک عمومی اجازت مرحمت کی گئی ہے کیونکہ ایسی حلال اشیاء کی فہرست بہت طویل

Marfat.com

ہے مثال کے طور پر ایسی خواتین کے بارے میں جن سے شادی ممنوع ہے۔ (محرمات) قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ. (النساء: ۲۵)

تمہاری مائیں تمہاری بیٹیاں تمہاری بہنیں اور تماری خالائیں تمہارے لئے حرام کی گئی ہیں۔

ان ممنوعہ زمروں کو بیان کرنے کے بعد قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ.

(النساء: ۲۴)

ان کے علاوہ دیگر تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم مہر کے ساتھ انہیں اپنے نکاح میں لاؤ نفس پرستی کے لئے نہیں۔

خوراک کے معاملے میں بھی حرام غذاؤں کی فہرست بالتفصیل بیان کی گئی ہے۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ.

تمہارے لئے مردہ جانوروں کا گوشت، خون، لحم خنزیر، وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے جائیں یا جنہیں گلا گھونٹ کر مارا جائے یا ضرب سے مارا جائے یا گر کر مر جائیں یا سینگ مارنے سے مر گئے ہوں۔

حلال غذاؤں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ.

آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں اہل کتاب کا پکایا ہوا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا تیار کیا ہوا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔

علاوہ ازیں حرام چیزوں کے مقابلے میں حلال چیزوں کی کثرت کے ساتھ ہی ایسے لوگوں پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا جو مجبوری یا اضطراب کے عالم میں حرام اشیاء استعمال کریں جیسا

Marfat.com

کہ اوپر بیان کیا گیا اس رخصت کو قرآن عظیم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ. (البقرۃ: ۱۷۳)

اگر کوئی شخص اضطرار اور مجبوری کے عالم میں ہو اور اس کی نیت نافرمانی یا گناہ کی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قوانین شریعت کے بارے میں بہت زیادہ تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے تاکہ جو لوگ احکام قرآنی پر سختی سے عمل کرنا چاہیں انہیں دشواری پیش نہ آئے۔

آیات قرآنی میں اس اصول کی جو وضاحت کی گئی ہے ان میں سے ایک آیت درج ذیل ہے:

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡئَلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ وَاِنۡ تَسۡئَلُوۡا عَنۡهَا حِیۡنَ یُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَکُمۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا. وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ. (المائدہ ۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو کہ اگر ان کی وضاحت کر دی جائے تو اس سے تمہیں پریشانی لاحق ہو سکتی ہے لیکن اگر تم تنزیل آیات قرآنی کے دور میں سوال کرو تو وہ تم پر واضح کر دیئے جائیں گے اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بے حد بردبار ہے۔

ممنوعہ سوالات ان چیزوں کے بارے میں تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان سوالوں کے سبب ان کے حرام ہونے کے احکام نازل کئے۔ اگر وہ اس قسم کے سوالات نہ کرتے تو ان اشیاء کے بارے میں انہیں اختیار حاصل رہتا کہ چاہیں تو وہ ان پر عمل کریں یا نہ کریں۔ اسی قسم کے سوالوں میں سے وہ بھی تھا جب ایک صحابی نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہ سوال کیا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر میں یہ کہدوں کہ ہاں تو حج کرنا ہر سال فرض ہو جائے گا۔ بہت زیادہ سوالات نہ کیا کرو تم سے پہلی امتیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ وہ غیر ضروری سوالات کرتی تھیں وہ اپنے رسولوں سے بحث و تکرار کرتی تھیں اور اختلاف کرتی تھیں۔ (حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے اسے صحیح مسلم نے نقل کیا ہے)

ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں تمہیں کوئی کام کرنے سے منع کروں تو اس سے مکمل طور پر دور رہو لیکن اگر میں

Marfat.com

تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو زیادہ سے زیادہ اس کی تعمیل کرو۔ (صحیح مسلم حضرت ابوہریرہ کی روایت) ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ مسلمان جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف سنگین ترین جرم کیا وہ لوگ تھے جو ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات کرتے تھے جو حرام نہیں تھیں لیکن ان کے سوالات کرنے کی وجہ سے انہیں حرام قرار دیدیا گیا۔ (عامر ابن سعد کی روایت اسے مسلم نے نقل کیا ہے)

قرآن عظیم نے تفصیل بیان کرنے میں جس طرح گریز کیا ہے اس کی ایک بہت اچھی مثال تجارتی معاملات کی بابت اس کا حکم ہے۔ اس بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی بلکہ عمومی اصول بیان کردیئے گئے ہیں جو تمام متعلقہ امور کے لئے موزوں ہوسکتے ہیں مثلاً: اللہ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (المائدہ)

اے ایمان والو تم جو عہد و پیمان کرو انہیں پورا کیا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرہ: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (النساء: ۲۹)

اے اہل ایمان! ایک دوسرے کا مال بے ایمانی سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی سے تجارت کو واسطہ بناؤ۔

۳-عوامی فلاح:

کیونکہ اسلامی شریعت بنیادی طور پر بنی نوع انسان کی بہتری اور فلاح کے لئے نازل کی گئی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دور میں تمام دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (النساء: ۲۹)

Marfat.com

اے نبی ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں۔

قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف: ۱۵۸)

(اے نبی) کہدو! اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

نسخ:

شریعت میں نسخ (منسوخ کرنا) کا وجود اس بات کا مظہر ہے کہ شریعت انسانی فلاح و بہبود کا کس درجہ خیال رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نازل کیا جو اس وقت اور افراد کے لئے موزوں تھا یا کسی خاص اور محدود مقصد کے لئے تھا لیکن بعد کو اس کی افادیت ختم ہوگئی یا اس سے مطلوبہ مقصد حاصل ہوگیا، ان حالات میں اب اس حکم کی ضرورت باقی نہیں رہی اور اس کا جواز بھی منسوخ ہوگیا۔ ذیل میں ایسی ہی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں جو قرآن اور سنت دونوں میں موجود ہیں:

وصیت:

جاہلی عرب معاشرہ میں متوفی کی وراثت اس کے بچوں کو ہی ملتی تھی والدین کو صرف اسی صورت میں حصہ ملتا تھا جب اس کی وصیت کی گئی ہو۔ (بخاری)

اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی اللہ تعالیٰ نے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے بارے میں وصیت تحریر کرنا لازم قرار دیدیا۔ یہ اس لئے تھا تاکہ نئے تشکیل شدہ مسلم معاشرہ کو عزیز و اقارب کے حقوق کی بابت (خصوصاً ان کی دولت کے حوالے سے) باخبر کیا جائے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ. (البقر: ۱۸۰)

تم پر لازم کیا جاتا ہے کہ جب تم سے کسی شخص کی موت کا وقت آجائے اور وہ ترکہ چھوڑے تو وہ اپنے والدین اور اقربا کے بارے میں وصیت کرے جو کہ موزوں و مناسب ہو۔ اور یہ متقی لوگوں کے لئے واجب ہے۔

بہرحال جب اسلامی معاشرہ نے اسے تسلیم کر کے اس پر باضابطہ طور پر عمل شروع کر دیا تو

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے وراثت کے بارے میں قرآن عظیم میں شرح ووضاحت کے ساتھ احکام نازل فرمائے، اس کے بعد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی توثیق کی اور وراثت کی بابت سابقہ ضابطہ کی منسوخی کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو (وراثت میں) حصہ عطا کیا ہے لہٰذا اب وراثت سے متعلق کوئی وصیت نہیں کی جانی چاہئے (ابوداؤد میں اسے ابوامامہ کی روایت پر نقل کیا گیا ہے)

عرصۂ ماتم:

ایک بیوہ کے لئے شوہر کے ماتم کی مدت ایک سال کی تھی اور شوہر اس کا پابند تھا کہ اپنی وصیت میں ایک سال تک اپنی بیوہ کے نان ونفقہ کا بندوبست کرے۔ قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَّاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (البقرہ: ۲۴۰)

تم میں سے جو شخص مرجائیں اور ان کی بیوائیں ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ ان کے لئے سال بھر کے خرچہ صرفہ اور رہائش کی بابت وصیت کریں لیکن اگر وہ (بیوائیں) رہائش ترک کردیں تو پھر وہ اپنے بارے میں جو کچھ کرتی ہیں تو تم پر اس کی کوئی ملامت نہیں ہے بشرطیکہ یہ معقول انداز میں ہو۔ اور اللہ طاقت اور حکمت والا ہے۔

اس کے بعد ماتم (عدت) کی یہ مدت کم کرکے چار ماہ دس دن کردی گئی۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (البقر: ۲۳۴)

تم میں جو لوگ مرجائیں اور ان کی بیوائیں ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ چار ماہ دس دن تک عدت کریں اس مدت (عدت) کے بعد اگر وہ اپنے بارے میں صحیح ڈھنگ سے کوئی فیصلہ کرتی ہیں تو تم پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

Marfat.com

اور وصیت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا جب کہ وراثت کے بارے میں آیات نازل ہوئیں اور بیوہ کے لئے ورثہ میں حصہ مخصوص کر دیا گیا یعنی اگر وہ بے اولاد ہو تو کل ورثہ میں سے اسے ایک چوتھائی بصورت دیگر آٹھواں حصہ ملے گا۔

بدکاری: پہلے زنا، بدکاری حرام کاری اور دیگر جرائم مثلاً ہم جنسی وغیرہ کی سزا مجرم کو قید کرنا اور اس وقت محبوس رکھنا جب تک وہ توبہ نہ کرے اور آئندہ نیک چلنی کا عہد نہ کرے۔

وَالّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَائِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَھِدُوْا فَاَمْسِکُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا○ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِھَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْھُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْھُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا○ (النساء: ۱۶-۱۵)

اگر تمہاری کوئی عورت جنسی جرائم کا ارتکاب کرے تو اس کے خلاف چار گواہ پیش کرو، اگر وہ اس کی گواہی دیں تو خطا کار کو گھر میں قید کر دو تا آں کہ اسے موت آ جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ نکال دے۔ اگر تم میں سے دو مرد جنسی جرام (اغلام) کے مرتکب ہوں تو دونوں کو سزا دو لیکن اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں تو انہیں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

پھر ایک حکم قرآنی کے ذریعہ اسے منسوخ کر دیا گیا اور جنسی جرائم کے لئے ایک مخصوص اور مثالی سزا مقرر کی گئی۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَائِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ○ (النور: ۲)

جو عورتیں یا مرد زنا کا ارتکاب کریں، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس بارے میں کسی نرمی کا مظاہرہ نہ کرو کیونکہ یہ اللہ کے دین کا معاملہ ہے اور مومنوں کی ایک جماعت اس سزا کو دیکھے۔

علاوہ ازیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کا ارتکاب کرنے والوں کو

Marfat.com

سنگساری کی سزا دی۔ (عبادہ بن صامت اور ابن عباس کی روایت پر اسے مسلم نے نقل کیا ہے)
اسی طرح ہم جنسی کے لئے بھی موت کی سزا تجویز کی لیکن اس کے لئے طریقہ کار متعین نہیں کیا۔
(ابوداؤد بروایت حضرت ابن عباسؓ)

ان منسوخ آیات کے مطالعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی جگہ زیادہ سخت قوانین شریعت لائے گئے، مثلاً بدکاری کے لئے قید اور تعزیر کی جگہ کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کی سخت تر سزا مقرر کی گئی یا پھر ان قوانین میں ترمیم کر کے انہیں نسبتاً آسان کر دیا جیسے عدت۔ (ماتم کا عرصہ) اس میں معقول طور پر کمی کر دی گئی۔ بہر طور منسوخ شدہ قوانین جس وقت وہ نازل کیے گئے تو حسب حال اور موزوں تھے۔ تاہم جب صورت حال تبدیل ہوگئی تو ان قوانین میں بھی ترمیم کر دی گئی تاکہ شریعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری ہو۔ اگر مسلم معاشرہ اس کا متقاضی ہوتا تو منسوخ شدہ قوانین شریعت شروع سے ہی نافذ کئے جاتے، مثال کے طور پر ایک متوفی شوہر کی بیوہ کے لئے ایک سال تک مرحوم شوہر کے گھر میں مقیم رہنا مقرر تھا اس عرصہ میں وہ شادی نہیں کر سکتی تھی۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ بیوہ عورتوں کو گھر میں محبوس کر دیتے تھے اور دوبارہ شادی نہیں کرنے دیتے تھے۔ خانگی حبس کی یہ مدت ایک سال سے لے کر تا عمر تھی۔ قید کے دوران انہیں نہایت خراب اور خستہ لباس پہننے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (بخاری بروایت زینب بنت سلمہ) اگر پہلے ہی عدت (ایام ماتم) کا عرصہ کم کر کے چار ماہ دس دن کر دیا جاتا اور عورتوں کو گھر چھوڑنے کی اجازت بھی دے دی جاتی تو ابتدائی دور کے مسلمانوں کو اسے قبول کرنے میں شدید دشواری پیش آ سکتی تھی۔ چنانچہ یہ مدت ایک سال مقرر کی گئی قید کی رسم بھی منسوخ کی گئی۔ جب مسلمانوں نے یہ تبدیلی قبول کر لی اور اس کے پابند ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد ہی دوسرے شرعی قانون کے ذریعہ عدت کی مدت اور کم کر دی گئی۔

لوگوں کی بہبود اور آسانی کے مدنظر نسخ کا یہ طریقہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ (دوران نبوت) میں جاری رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم شریعت منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(المدخل ص ۹۳-۹۰)

Marfat.com

عہد نبوت ختم ہو جانے کے بعد بھی قوانین شریعت میں انسانی فلاح ملحوظ رکھنے کی حقیقت اس سے واضح ہوتی ہے کہ یہ قوانین معقول بنیادوں پر وضع کئے گئے تھے۔ ان میں سے متعدد احکام کی وضاحت بھی کر دی گئی۔

مندرجہ ذیل آیات یا اجزاء آیات قرآنی میں قوانین شریعت نافذ کرنے کے مقصد کی وضاحت کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۝ (البقرہ: ۱۸۳)

اے اہل ایمان تم پر رمضان کے روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر کئے گئے تھے یہ اس لئے ہے تا کہ تم تقوی اختیار کرو۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا. (التوبہ: ۱۰۳)

ان کے اموال میں سے کچھ صدقہ لے لو تا کہ وہ پاک ہو جائے اور اس میں (دینی و روحانی طور پر) اضافہ ہو۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ۝ (المائدہ: ۹۴)

شیطان شراب خوری اور قمار بازی کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم (ان برائیوں کو) چھوڑو گے نہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی حکم صادر فرماتے تو اکثر اس کے مقصد کی وضاحت بھی فرما دیتے تھے۔ مثلاً زیارت قبور کی ممانعت کو منسوخ کئے جانے کی بابت آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ بہر حال مجھے اجازت مرحمت کی گئی ہے کہ میں اپنی ماں کی قبر کی زیارت کروں۔ پس تم بھی قبروں پر جایا کرو کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ (مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)

قوانین شریعت کے مقصد کی وضاحت سے ظاہر ہوتا ہے کہ احکام کے ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ ان کے اسباب و علل کے عدم یا وجود پر منحصر ہے، اگر سبب موجود ہے تو اس سے متعلق حکم

Marfat.com

شرعی بھی برقرار رہے گا جب سبب ختم یا تبدیل ہو جائے گا تو حکم شریعت بھی اس کے سبب کی افادیت یا عدم افادیت کے مطابق بدل جائے گا۔ ورنہ اس حکم کے مسلسل برقرار رہنے کی افادیت ہی ختم ہو جائے گی۔ اسی اصول کی بنیاد پر حضرت عمرؓ بن الخطاب نے زکوٰۃ میں سے غیر مسلموں کو دی جانے والی رقم کی ادائیگی منسوخ کر دی جب کہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عمر نے وضاحت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کی ضرورت تھی کیونکہ اس وقت اسلام کو فروغ کے لئے افراد کی طلب تھی میرے دور میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اب اسلامی ریاست پوری طرح مضبوط و مستحکم ہو چکی ہے۔

انسانی ضروریات کو ملحوظ رکھنے کے عنصر کو احکام شریعت کی تالیف و تشکیل میں دیکھا جاسکتا ہے ایسے امور جن میں وقت اور حالات کی تبدیلی سے بھی انسانی بہبود کی اہمیت ختم یا تبدیل نہیں ہوتی ان سے متعلق احکام شرعی کی اللہ تعالیٰ نے پوری طرح وضاحت فرمادی ہے، مثال کے طور پر عبادت کے بارے میں احکام نکاح طلاق، وراثت سے متعلق احکامات اور ایسے تعزیری احکام کہ وقت گزرنے کے ساتھ جرم کی سنگینی میں کمی یا تبدیلی نہیں آتی جیسے قتل، زنا، حرام کاری، تہمت طرازی، چوری وغیرہ۔ بعض ایسے امور جن میں نفع وضرر کے عناصر وقت اور مقام کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے آفاقی مفاد کے حامل احکام شریعت نازل فرمائے ہیں جنہیں ارباب اقتدار انسانی ضروریات کے مطابق نافذ کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے احکام کی مثال تجارت سے متعلق امور اور معاشرہ کی تشکیل کی بابت قوانین میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء: ۵۹)

اے اہل ایمان اللہ کی، اس کے رسول اور اپنے اصحاب اختیار کی اطاعت کرو۔

خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر ایک بد ہیئت حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہارے امور کا فیصلہ کرے تو اس کی اطاعت کرو۔ (مسلم)

انفرادی فائدے کے مقابلے میں عمومی بہبود کو ترجیح دینے اور ایک زیادہ بڑے ضرر کو دفع کرنے کے لئے کم تر نقصان (ضرر) کو قبول کرنے میں بھی شریعت کے اسی مقصد کو دیکھا

Marfat.com

جاسکتا ہے۔(المدخل ص۹۲) اس کی ایک بہتر مثال اس میں دیکھی جاسکتی ہے کہ اسلام نے تعدداز دواج کے آفاقی رواج کی تصدیق کی۔اسلام نے ازواج کی تعداد چارتک محدود کردی اوراسی کے ساتھ ان لوگوں کی ذمہ داریوں کی وضاحت بھی کردی جوایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں اگرچہ اکثر عورتوں کے لئے یہ بات آسان نہیں ہوتی کہ وہ اپنے شوہر کی متعدد بیویاں دیکھیں لیکن ان معاشروں میں جہاں تعدداز دواج کی اجازت نہیں ہے کس درجہ بے راہ روی پھیلتی ہے۔اس کے پیش نظر اسے شرعی جواز عطا کرنا ضروری تھا،لہٰذا عورتوں اور مردوں کی عمومی فلاح کی خاطر اسلام نے محدود تعدداز دواج کی اجازت مرحمت فرمائی اوراس طرح بعض عورتوں کے ذاتی مفاد یاپسندیدگی پر معاشرہ کے عمومی مفاد کوترجیح دی۔

(ملاحظہ ہواسلام میں تعدداز دواج۔ریاض انٹرنیشنل پبلشنگ ہاؤس)

۴۔عمومی انصاف:

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین شریعت کی پابندی کے لئے اسلام ہرشخص کو مکلف ٹھہراتا ہے اسی کے ساتھ ان کی خلاف ورزی پر تعزیر بھی ہر مکلف پر نافذ ہوگی۔قرآن عظیم میں جوشرعی قوانین بیان کئے گئے ہیں ان کی نوعیت عمومی ہے وہ کسی ایک جماعت یادوسرے طائفہ کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ. (النحل: ۹۰)

(اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. (النساء: ۵۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کوان کے مالکوں (حقداروں) کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

Marfat.com

تَعْمَلُوْنَ○ (المائدہ: ۹)
اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم رہو اور حق و انصاف کے ساتھ گواہی دو (خبردار) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم جادۂ حق سے منحرف ہو جاؤ۔ انصاف کرو کیونکہ یہ (حق وانصاف) راہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں ایک مقتدر قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور جب معاملہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا تو اس عورت نے اقبال جرم بھی کر لیا اس معزز قبیلے کے افراد چوری کی اس سزا کی رسوائی سے بچنا چاہتے تھے جس کا قرآن عظیم حکم دیتا ہے، لہٰذا انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب تھے درخواست کی کہ وہ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں۔ جب اسامہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس بارے میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک لہجے میں فرمایا کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے بارے میں سفارش کرنے کی جسارت کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لوگو تم سے پہلی امتیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ جب ان کے معزز افراد میں سے کوئی چوری کرتا تھا تو وہ اس پر حد نافذ نہیں کرتے تھے لیکن جب کوئی غریب اور کمزور شخص چوری کا مرتکب ہوتا تو وہ اسے سزا دیتے تھے۔ واللہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔ (صحیحین میں بروایت حضرت عائشہ نقل کیا گیا)

شریعت اسلامی کے مآخذ:

تشکیلی دور میں قوانین شریعت براہ راست وحی یا پھر سنت نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم سے اخذ کئے جاتے تھے۔ سنت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی یا افعال عالیہ ہیں یا پھر وہ باتیں یا اعمال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئے گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ سنت کو شریعت کا دوسرا ماخذ کہا جاتا ہے جو کہ قرآن عظیم کے اس ارشاد کے تحت ہے:

Marfat.com

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰیo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی. (النجم: ۴-۳)

(رسول) اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اللہ کی طرف سے) یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ اللہ کا آخری پیغام بنی نوع انسان کو پہنچائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ. (المائدہ: ۶۷)

اے رسول جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذمہ داری بھی دی گئی کہ اس پیغام ربانی سے جو مراد ہے (لوگوں کے سامنے) اس کی تعبیر وتشریح کریں۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَo (النحل: ۴۴)

ہم نے یہ ذکر (یاد دہانی) یعنی قرآن تم پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ لوگوں پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کی وضاحت وتفسیر کے ساتھ سمجھاؤ شاید وہ اس پر غور وفکر کریں۔

بعض اوقات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنی کے مفہوم کی بابت ارشاد فرمایا کرتے تھے اور بعض وقت اپنے عمل کے ذریعہ اس کی تعبیر پیش فرماتے تھے۔ مثلاً قرآن عظیم میں مومنوں کو ادائیگی صلوٰۃ (نماز) کا حکم دیا گیا لیکن اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ نماز کس طرح ادا کی جائے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے نماز ادا کی اور ارشاد فرمایا کہ جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح نماز ادا کیا کرو۔ (بخاری)

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے سلام کا جواب دیا۔ (ابوداؤد)

ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو ایڑیاں ملا لیتے تھے۔ (بیہقی) ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابن مسعود بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا

Marfat.com

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر کر دیا۔ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ جھکے اسے پہلے اپنے ہاتھ زمین پر رکھنے چاہئیں۔ (اس کے بعد گھٹنے زمین پر ٹیکے) (ابوداؤد)

اس طرح سنت قرآن عظیم کی تفسیر ہے جس کے ذریعہ کتاب الٰہی کے مجمل احکام کی تشریح و توضیح کی گئی اور اس کے مفہوم کو بیان کیا گیا۔ چنانچہ سنت نبوی علیہ السلام کی ہر بات قرآن عظیم میں براہ راست حوالے یا استنباطی طور پر موجود ہے، اس میں اس درجہ عمومیت ہے کہ پوری سنت اس کے دائرہ میں آ جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر: ۷)

جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔

یا پھر اس خطاب میں وہ عمومی طور پر بیان کردہ قوانین ہیں جن کی تعبیر و تشریح سنت پر چھوڑ دی گئی ہے۔ پس سنت کے ذریعہ منہج، مفہوم، احتیاج و مقام کی وضاحت ہوتی ہے یا پھر ایسے معنی و مفہوم کو بیان کیا جاتا ہے جن کا منطقی طور پر استخراج نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ایک مثال ان ممنوعہ (حرام کردہ) اشیا خوردنی کی بابت ہے جن کا ذکر قرآن عظیم میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف: ۱۵۷)

وہ پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے دوران ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ گدھے کا گوشت کھایا جا رہا ہے۔ پھر ایک دوسرا شخص حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول گدھے برباد کئے جا رہے ہیں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہؓ کو بھیجا انہوں نے اعلان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پالتو گدھے کا گوشت کھانا حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ برا ہے۔ (طیب نہیں ہے) (مسلم)

یا پھر قرآن عظیم میں عمومی اصول بیان کر دیئے گئے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم شرعی کا استنباط کر لیں۔ ایسے احکام میں سنت کی توثیق یا تصحیح اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے کی گئی

Marfat.com

اس سلسلے کی ایک مثال، زوجہ کی خالہ یا پھوپھی سے شادی ہے۔ قرآن عظیم میں کسی عورت کے ساتھ اس کی بیٹی سے شادی یا دو بہنوں سے بیک وقت شادی کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النسا:۲۴) اس کے علاوہ دیگر (رشتے) حلال ہیں۔

لیکن حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کو بیک وقت ایک عورت اور اس کی پھوپھی سے یا اس عورت (زوجہ) کی خالہ سے شادی نہیں کرنی چاہئے۔ (بخاری) یہ حکم اس طرح مستنبط کیا گیا ہوگا کہ کسی عورت اور اس کی بیٹی سے یا دو بہنوں سے بیک وقت شادی کرنے کی ممانعت زوجہ اور اس کی خالہ یا پھوپھی سے بیک وقت شادی کرنے کی حرمت میں موجود ہے۔ اس حدیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم ایسا کرو گے تو اس سے خاندانی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ مطلب واضح ہے کہ اس قسم کی شادیوں سے ماں اور بیٹی اور دو بہنوں کے درمیان رشتوں کی جو تقدیس ہے وہ پامال ہو جائے گی کیونکہ ایسی شادی کے بعد ماں اور بیٹی، اور دو بہنیں باہم حریف (سوکن) بن جائیں گی۔ اسی طرح ایک عورت اور اس کی خالہ یا پھوپھی کے درمیان بھی اسی قسم کا فساد پیدا ہوگا۔ سنت کے ایک ایسے ہی حکم کے بارے میں جس کی توثیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں کی گئی طلاق ظہری ہے۔ خولہ بنت ثعلبہ نے بیان کیا کہ میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے کہا کہ تو میرے لئے میری ماں کی (پشت) طرح ہے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کی شکایت کی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بحث سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا اللہ سے ڈرو وہ تمہارا (چچیرا) بھائی ہے لیکن میں پھر بھی شکایت کرتی رہی۔ تب یہ آیات قرآنی نازل ہوئیں:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِنْ نِّسَائِهِمْ مَاهُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰئِيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ○ (المجادلہ: ۲-۱)

بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ کر رہی تھی اور اللہ نے تم دونوں کی بحث بھی سنی اور اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

Marfat.com

اگر تم میں سے جو لوگ اپنی بیوی کو ماں کہدیں (ظہار) تو وہ ان کی ماں نہیں ہو جائے گی ان کی ماں تو وہ ہے جس نے انہیں جنم دیا ہے ایسے لوگ فضول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہار کو طلاق کی جائز شکل تسلیم کر لیا تھا اور خولہ کو اسے تسلیم کرنے کے لئے بھی کہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے غلط قرار دیا۔

اسی کے ساتھ ہی غیر مصدقہ استنباطی احکام کا ایک زمرہ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنت مصدقہ شرعی احکام تک محدود ہے اس میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خصائل و عادت شامل نہیں ہیں جن کی پیروی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تلقین نہیں فرمائی۔ ابن خدیج سے روایت ہے کہ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یثرب (مدینہ) کے لوگ کھجوروں کے درختوں میں قلم لگاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس مصنوعی پیوند کاری کے ذریعہ درختوں کو زیادہ بار آور بناتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا کہ شاید یہ بہتر ہوگا کہ تم ایسا نہ کرو۔ جب اہل مدینہ نے ایسا کیا تو اس سال کھجوروں کی پیداوار کم ہوئی۔ لوگوں نے اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: میں بھی انسان ہوں۔ جب میں تمہیں دین کے بارے میں کوئی بات بتاؤں تو اس پر عمل کرو لیکن جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو یہ بات ذہن میں رکھو کہ میں بھی (تمہاری طرح) ایک انسان ہوں۔ حضرت انس بن مالک کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے دنیوی معاملات کو تم لوگ زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ (مسلم)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ میرے سامنے جو مقدمات (تنازعات) پیش کئے جاتے ہیں ان کا فیصلہ کرنے میں بھی مجھ سے نادانستہ طور پر غلطی ہو سکتی ہے کیوں کہ بعض معاملات میں، میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک انسان ہوں تم لوگ اپنے تنازعات فیصلہ کے لئے لاتے ہو بعض لوگ اپنا مقدمہ پیش کرنے میں زیادہ لفاظی سے کام لیتے ہیں اور میں ان کی باتیں سن کر ان کے حق میں فیصلہ صادر کر دیتا ہوں، پس اگر میں کسی

Marfat.com

شخص کے حق میں فیصلہ کروں جبکہ اس کا حقدار اس کا بھائی ہو تو اسے یہ فیصلہ قبول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح میں نے اسے جہنم کا ایک ٹکرا دیا ہے۔(ابوداؤد) اس نوع کے فیصلوں سے (جو ذاتی رائے کے تحت دیئے گئے) صحابہ کرام کو قوانین شریعت کے اطلاق میں فکری و منہاجیاتی تربیت ملی۔ اس سے انہیں یہ سبق بھی ملا کہ اگر کوئی قاضی بعض ایسے امور کے سبب جو اس کے اختیار سے ماوراء ہوں اپنے فیصلہ میں غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے اس بارے میں معذور سمجھا جائے گا۔ اس اہم نکتہ پر مزید زور دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص دلیل (اجتہاد) کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا جبکہ اگر کوئی اس قسم کا فیصلہ کرنے میں غلطی کرتا ہے تب بھی اسے ایک اجر ملے گا۔(بخاری)

بہر حال اس قسم کے فیصلے علم کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قاضی (جج) تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک قسم کے وہ جو بہشت میں جائیں گے جبکہ دیگر دو قسم کے قاضی جہنم میں جائینگے۔ پہلے زمرے کے تحت وہ قضاۃ ہیں جو سچائی کو جانتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلے صادر کرتے ہیں۔ جو (منصف) حقیقت کو جانتا ہے اس کے باوجود غلط فیصلہ کرتا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ اور جو شخص علم کے بغیر لوگوں کے معاملات میں فیصلے کرتا ہے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔(ابوداؤد) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنازعات کی بابت فیصلہ کرنے میں صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد بھی وہ (صحابہ کرام) شرعی امور میں فیصلہ کرسکیں۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں جبکہ میں بہت کم عمر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو ہدایت دے گا اور زبان کو حق پر قائم رکھے گا۔ جب دو فریق تمہارے پاس قضیہ لے کر آئیں تو جس طرح تم پہلے فریق کی بات سنتے ہو اسی طرح (وضاحت سے) فریق ثانی کی بات بھی سنو کیونکہ فیصلہ دینے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ فریقین کی بات (وضاحت سے سن کر) تہہ تک پہنچا جائے۔(ابوداؤد)

Marfat.com

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو قریظہ نے اس شرط پر اطاعت قبول کی کہ ان کے بارے میں سعد بن معاذ فیصلہ کریں گے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کو بلایا اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (انصار مدینہ) سے ارشاد فرمایا: اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد سے فرمایا: ان لوگوں نے تمہارے فیصلے کی شرط پر اطاعت قبول کی ہے اس پر سعد بن معاذ نے کہا ان کے جنگجو (افراد) کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں بچوں کو جنگی قیدی بنالیا جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ (مسلم)

نئے حالات میں غور وفکر کے بعد فیصلہ کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے ظاہر ہے کہ انہوں نے شریعت کے ارتقاء کے دور میں اجتہاد کیا۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اجتہاد جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شریعت کا آزادانہ فیصلہ نہیں تھا جب تک کہ اس کی تائید وحی الٰہی سے نہیں ہوئی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اجتہاد کئے وہ صحابہ کرام کو شرعی امور میں اجتہادی فیصلے کی تربیت کی حیثیت رکھتے ہیں اور صحابہ کرام نے ابتدائی مراحل میں جو اجتہادی فیصلے کئے وہ بھی ایک نوع کی تربیتی مشق ہی تھے۔

خلاصہ:

۱- اسلام کے ابتدائی دور میں قوانین شریعت وحی الٰہی کے ذریعہ نازل ہوتے تھے اور قرآن عظیم میں درج کئے جاتے تھے۔ اسی طرح سنت کی تدوین کی جاتی تھی۔ یہ خاص طور پر اسلام کی نظریاتی بنیاد فراہم کرنے کے لئے ہوتے تھے یعنی ایمان کے اصول اور ایک ابھرتی ہوئی اسلامی ریاست کے لئے معاشرتی و معاشی اصول وقوانین۔

۲- قرآن عظیم میں قوانین شرعی کا مقصد بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود تھا، اس لئے ایسے رسوم و رواج جو انسانیت کے لئے مفید تھے اسلام نے انہیں تسلیم کیا اور بذریعہ وحی ان کی تائید کی گئی۔

۳- اس اصلاحی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قرآن عظیم میں جن اصولوں کو شامل کیا گیا ان میں (۱) دشواریوں کو دور کرنا۔ (۲) مذہبی فرائض میں کمی کرنا (۳) مفاد عامہ عوامی فلاح و بہبود فراہم کرنا (۵) عمومی انصاف کا حصول۔

Marfat.com

۴- اسی دور میں فقہ کا ارتقا بھی ہوا۔ یعنی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں قرآن وسنت کی بنیاد پر غور وفکر کے ذریعہ مسائل وتنازعات حل کرنے کے عمل کا آغاز ہوا۔

۵- یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسی دور میں پہلا مذہب (فقہی طریق) مرتب ہوا جبکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اجتہاد کی راہ پر ہدایت فرمائی۔

☆☆☆

Marfat.com

دوسرا دور:

قیام

یہ دور خلفاء راشدین کے عہد سعادت پر محیط ہے ان کے علاوہ دیگر ممتاز صحابہ بھی اس دور میں موجود تھے۔ خلفاء راشدین کا دور حضرت ابوبکرؓ (۶۳۴-۶۳۲ء) سے شروع ہو کر حضرت علی بن ابی طالب کی وفات (۶۶۱ء) پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور کے پہلی دو دہائیوں میں اسلامی سلطنت کی حدیں تیزی سے وسعت پذیر ہوئیں اور شام، اردن، مصر، عراق و فارس تک پھیل گئیں۔ پس مسلمان اچانک نئے ماحول، نئے لوگوں، نئی تہذیب اور نئے حالات سے دوچار ہوئے اور ایسے مسائل سامنے آئے جن کی بابت شریعت میں کوئی مخصوص حکم موجود نہیں تھا۔ لہٰذا ان نئے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے خلفاء راشدین نے اجماع کا سہارا لیا۔ نیز اجتہاد بھی کیا جس کی تعلیم انہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دی تھی۔ وسیع پیمانے پر اجماع اور اجتہاد کے عمل کے دوران ان خلفاء نے جو طریقہ کار وضع اور قائم کیا بعد میں یہی اسلام میں قانون سازی کی بنیاد بنا اور اسے فقہ کا نام دیا گیا۔ اس باب میں ہم کسی قدر تفصیل سے اس طریق کار کا جائزہ لیں گے جو خلفاء راشدین نے حل مسائل کے لئے قائم کیا اور صحابہ کرام نے تخریج مسائل کے لئے جو عمومی طرز اپنایا ہم یہ بھی بتانے کی کوشش کریں گے کہ یہ دور نسبتاً اس مسلکی اختلاف سے پاک تھا جو بعد کے ادوار کی شناخت بن گیا اور ہم اس دور میں فقہ کی بعض ان خصوصیات کا ذکر بھی کریں گے جو بعد کے کچھ حالات سے قطعی مختلف ہیں۔

حل مسائل کے لئے خلفاء راشدین کا طریق عمل:

نئے مسائل کے حل کے لئے خلفاء راشدین نے مندرجہ ذیل اقدامات کئے:

۱- وہ پہلے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن عظیم میں حل تلاش کرتے تھے۔

۲- اگر کتاب الٰہی میں انہیں اس کا واضح جواب نہ ملتا تو وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع

Marfat.com

کرتے تھے۔

۳-اگر سنت میں بھی انہیں مسئلہ کا حل نظر نہ آتا تو وہ ممتاز صحابہ کا اجتماع طلب کرتے اور پھر سب کی رائے سے مسئلہ کا کوئی متفقہ حل تلاش کرتے۔اس طریقہ کو اجماع کا نام دیا گیا۔

۴-اگر اجماع کی شکل پیدا نہ ہوتی تو وہ کثرت رائے کو دیکھتے تھے۔

۵-اگر صورت حال ایسی ہوتی کہ واضح اکثریت سامنے نہ آتی تو پھر خلیفہ راشد خود اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کرتے اور یہ فیصلہ قانون بن جاتا تھا۔یہ بات بھی واضح رہے کہ خلیفہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اجماع کو مسترد کردے۔(المدخل:ص ۱۰۷)

اجتہاد کے بارے میں صحابہ کرام کا طرز عمل:

خلیفہ کی طرف سے ممتاز صحابہ کا اجتماع طلب کرنے کے علاوہ بھی روزانہ ایسے مسائل پیش آتے تھے جن کے حل کے لئے صحابہ کو انفرادی طور پر فیصلہ کرنے کے لئے کہا جاتا تھا۔اس صورت حال میں وہ تین طرح کا طرز عمل اختیار کرتے تھے۔

اول یہ کہ جن صحابہ سے رائے (فتوی) طلب کی جاتی تھی وہ اس بات کو واضح کردیتے تھے کہ وہ جو اجتہادی فیصلہ کریں گے ضروری نہیں ہے کہ وہ بالکل اللہ کی مرضی کے مطابق ہی ہو۔مثال کے طور پر جب حضرت ابن مسعودؓ سے اس عورت کی صداقت کے بارے میں سوال کیا جس کی شادی کسی معین مہر کے بغیر کی گئی ہو تو انہوں نے کہا میں اس بارے میں اپنی رائے پیش کرتا ہوں اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی جانب سے ہے۔(ترمذی،نسائی،ابوداؤد،علامہ البانی نے صحیح سنن ابی داؤد میں اس کی توثیق کی ہے)

سعید کا بیان ہے کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ دیت صرف شوہر کے دادا کی اولاد نرینہ کا حق ہے اور بیوہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔جب ضحاک بن ابی سفیان نے انہیں بتایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تحریر فرمایا تھا کہ اشیم الذبیانی کی اہلیہ کو اس کی دیت میں سے حصہ دو۔اس کے بعد حضرت عمر نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔(ابوداؤد،علامہ البانی نے اسے مستند قرار دیا ہے۔)

Marfat.com

۲- جب کسی ایک مسئلہ پر صحابہ متفرق رائے (فتوی) دیتے اور اس کے بعد انہیں صحیح حدیث کا پتہ چل جاتا تو فوراً اپنے اختلافات ختم کر کے حدیث کو اختیار کر لیتے تھے۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام میں اس پر اختلاف ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تدفین کہاں کی جائے، لیکن جب حضرت ابو بکرؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ انبیاء جس جگہ وفات پائیں اسی مقام پر ان کی تدفین کی جاتی ہے۔ اس پر صحابہ کرام نے اپنے اختلافات ختم کر دیئے اور حضرت عائشہ کے حجرے میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تھی قبر تیار کی۔ آخر میں اگر کوئی کسی مسئلہ کے حل کے لئے کوئی مستند حدیث دستیاب نہ ہوتی اور کسی ایک رائے پر اجماع بھی نہ ہوتا تو صحابہ کرام ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے تھے اور دیگر صحابہ کو اپنی رائے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلے میں واحد استثنا کوئی ایسا دستور یا رواج تھا جو پہلے رائج تھا لیکن بعد کو ممنوع قرار دیدیا گیا۔ مثلاً متعہ دور جاہلیت میں عارضی شادی کی ایک رسم تھی اسلام کے ابتدائی دور میں اسے جاری رکھا گیا لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اسے حرام قرار دیدیا گیا۔ بعض صحابہ جنہیں متعہ کے حرام قرار دئے جانے کے حکم کی خبر نہیں تھی وہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کے عہد خلافت کے پہلے نصف عرصہ تک اس پر عمل کرتے رہے۔ جب حضرت عمر بن الخطاب کو اس کا علم ہوا کہ لوگ متعہ پر عمل کرتے ہیں تو آپ نے اس کی ممانعت فرمائی اور اس پر عمل کرنے والوں کے لئے سخت سزا مقرر کی۔

(صحیح مسلم۔ عبدالحمید صدیقی مطبوعہ لاہور)

مسلکی اختلاف:

اگرچہ صحابہ کرام کسی مسئلہ کے حل میں باہمی بحث و اختلاف بھی کرتے تھے لیکن یہ اختلاف کبھی ایسے افتراق کی صورت اختیار نہیں کرتا تھا جو کہ بعد کے ادوار کی خصوصیت بن گیا۔ مندرجہ ذیل وجوہ کے سبب ان کے درمیان اتحاد قائم رہتا تھا:

۱- مسئلہ کے حل کے لئے خلفاء باہمی مشورت (شوریٰ) کا اہتمام کرتے تھے۔

۲- وہ آسانی جس سے اجماع پر پہنچا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء راشدین ممتاز

Marfat.com

صحابہ کو دارالخلافہ مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اس لئے شوریٰ کی مجلس بآسانی طلب کی جاسکتی تھی۔

۳- انفرادی طور پر صحابہ کرام کسی مسئلہ میں فتویٰ دینے سے عموماً گریز کرتے تھے۔ اور پیچیدہ مسئلوں میں وہ انہیں ان دیگر صحابہ کے پاس جانے کا مشورہ دیتے تھے جو زیادہ علم اور شعور کے حامل ہوتے تھے۔

وہ احادیث کے بکثرت حوالہ دینے سے گریز کرتے تھے اور محض بعض مخصوص مسائل میں احادیث بیان کرتے تھے کیونکہ:

(الف) انہیں اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں کوئی حدیث غلط بیان نہ کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص میری جانب کوئی غلط بات منسوب کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(ب) حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بکثرت احادیث بیان کرنے کی ممانعت کردی تھی اور صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ قرآن عظیم کے مطالعہ پر توجہ مرکوز کریں۔

اس دور میں فقہ کی خصوصیات:

جب ہم فقہ کے فروغ اور فقہی مسالک کے ارتقاء کے تاریخی ادوار کا مطالعہ کرتے ہیں تو مختلف سیاسی، معاشرتی اور معاشی ادوار میں فقہ کے مختلف مخصوص رجحان سامنے آتے ہیں۔

اول یہ کہ ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں فقہ حقیقی مسائل سے تعلق رکھتا تھا نہ کہ فرضی اور خیالی مسئلوں پر مبنی تھا، بعد کو فقہ کی اس حقائق پر مبنی صورت کو الفقہ الواقعی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس طرح اس فقہ سے ممتاز کیا گیا جو اموی عہد میں کوفہ اور عراق میں فرضی مسائل کی بنیاد پر اہل الرائے نے مرتب کیا۔

ثانیاً اگرچہ خلفاء راشدین کسی شرعی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے ایک طریق عمل کی پابندی کرتے تھے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا لیکن اس بارے میں انہوں نے یا صحابہ کرام نے مجموعی طور پر کوئی مخصوص طریقہ وضع نہیں کیا جس کی پوری امت میں پیروی کی جائے۔ اور نہ اس قسم کے (فقہی) فیصلوں کا کوئی تحریری ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ ایسے کھلے ذہن سے غور وفکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آزادی رائے کا کتنا احترام کرتے تھے۔ یہ طرز عمل اس سخت گیری سے

Marfat.com

بالکل متضاد ہے جو بعد کے دور کے بعض علماء کے وہاں دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے مرحلہ پر یہ کہ یہ عمل صحابہ کرام کے اس طریقہ کے مطابق تھا کہ وہ عوام الناس کو ہدایت کرتے تھے کہ ان مسئلوں کو نظر انداز کئے بغیر جن کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں ہے وہ قرآن عظیم کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔

اس عہد میں فقہ کی تیسری خصوصیت یہ تھی جو شرعی مسائل کے حل میں ذاتی رائے سے متعلق ہے۔ صحابہ کرام کی اکثریت قرآن وسنت کے متن کے لغوی معانی و مطالب پر اصرار کرتی تھی یہ ان کا عام طرز عمل تھا کہ وہ اس میں اپنی ذاتی رائے اور تعبیر و تشریح پیش کرنے سے گریز کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ جو ایک ممتاز فقیہ تھے اور تمام عمر مدینہ میں مقیم رہے اسی روش پر عامل تھے۔ دوسری طرف دیگر صحابہ تھے جو ایسے مسئلوں میں جن کی بابت قرآن وسنت میں واضح ہدایات نہیں تھیں آزادی سے ذاتی رائے پیش کرتے تھے۔ لیکن اس بارے میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ اسے اپنے آپ سے منسوب کرتے تھے تاکہ دین و شریعت پر کوئی حرف نہ آئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ جو آخر میں عراق میں رہنے لگے تھے اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

عہد خلافت راشدہ میں فقہ کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ بعض شرعی قوانین میں ترمیم کی گئی۔ یہ ترمیم اس وجہ سے کی گئی کہ یا تو اس وقت اس قانون کے باقی رہنے کا کوئی معقول جواز نہیں رہ گیا تھا یا پھر معاشرتی احوال تبدیل ہو چکے تھے۔

پہلی وجہ کی مثال خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بن الخطاب کا یہ فیصلہ ہے کہ اس سے قبل مرکزی بیت المال سے نومسلموں کو اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے جو تحائف اور وظائف دیئے جاتے تھے وہ آپ نے موقوف کر دیئے۔ آپ نے اپنے اس اقدام کے بارے میں دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دین کو افراد کی تائید و حمایت درکار تھی اس لئے ترغیب کا یہ عمل شروع کیا گیا، اب اسلام کو اقتدار حاصل ہو چکا ہے اور اسے اب افراد کی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری وجہ (یعنی معاشرتی تبدیلیاں) کی مثال قوانین طلاق میں ترمیم ہے۔ جب متعدد ممالک مسلمانوں نے فتح کر لئے اور مسلم معاشرہ میں دولت کی فراوانی ہوئی تو ایک یا

Marfat.com

متعدد شادیاں کرنا بھی آسان ہو گیا۔ اسی کے ساتھ طلاق دینے کا عمل بھی تشویشناک حد تک بڑھ گیا۔ لہٰذا بکثرت طلاق دینے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کے لئے حضرت عمر بن الخطاب نے طلاق کے ایک عمل میں ترمیم کی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو صرف ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم صادر کیا کہ جو لوگ ایک مجلس میں متعدد طلاقیں دینے کے مرتکب ہوں گے تو اسے طلاق بائن شمار کیا جائے گا۔

پانچویں خصوصیت یہ کہ خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں دین مسلکوں میں تقسیم نہیں ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید کی طرح ان خلفاء کے دور میں بھی دین کا رابطہ ریاست سے استوار رہا۔ پھر مذہب (عقیدہ) ہر خلیفہ کی ذاتی رائے کا پابند ہو گیا کیونکہ خلیفہ کی رائے، اجتہاد اور اجماع دونوں میں حرف آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ لہٰذا کسی خلیفہ کی زندگی میں اس کے کسی اجتہادی حکم کی مخالفت نہیں کی گئی۔ لیکن جب اس کی جگہ دوسرا خلیفہ اقتدار میں آتا تو اب مذہبی عقیدہ اس کے ذاتی عقیدہ کا پابند ہو جاتا اور سابق خلفاء کے اجتہادی فیصلوں پر عمل ترک کر دیا جاتا تھا اور موجودہ خلیفہ کے فیصلوں کو ترجیح دی جاتی تھی یا پھر سابقہ خلفاء کے اجتہادی فیصلوں میں اس طرح ترمیم کر دی جاتی تھی کہ موجودہ خلیفہ کی رائے اور عقیدہ کے مطابق ہو جائیں۔

خلاصہ:

۱- اجتہادی فقہ، اجماع اور قیاس (اجتہاد) کی بنیاد خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں رکھی گئی۔

۲- جب مسلمانوں کی بہ سرعت فتوحات کے نتیجہ میں متعدد بڑے ممالک اسلامی خلافت کے تحت آ گئے تو وہاں کے لوگوں سے مسلمانوں کا معاشرتی اشتراک و تعامل کا دور شروع ہوا اور بہت سے ایسے نئے مسائل درپیش ہوئے جن کی شریعت میں وضاحت نہیں کی گئی تھی۔

۳- ایسے ماحول میں شرعی احکام اور فیصلوں کی زیادہ سے زیادہ ضرورت پیش آئی۔ لہٰذا خلفائے راشدین نے بتدریج ایسے طریقہ کار کو فروغ دیا جن کے ذریعہ اختلافات کو کم کر کے اجتہادی فیصلے کئے جائیں۔

Marfat.com

۴-صحابہ بھی عام طور پر فیصلہ سازی کے اس طریق کار کی پیروی کرتے تھے اس سے وہ غیر متوازن فیصلہ صادر کرنے سے محفوظ رہتے تھے۔

۵-خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی مشترکہ کاوش جو وہ شرعی قوانین کے استنباط کے لئے کرتے تھے اس سے مقصد یہی تھا کہ اتفاق رائے پیدا کیا جائے اور امت کو اختلاف سے حتی الامکان بچایا جائے۔

۶-خلفائے راشدین کے دور میں صرف ایک ہی مذہب تھا۔لہٰذا فقہی امور میں یہ متحدہ طریق عمل دین میں اختلاف مسلک سے بچنے کا وسیلہ ثابت ہوا۔

۷-عوام کو قرآن عظیم کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی جبکہ احادیث کے بکثرت حوالے پیش کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی۔

۸-اگرچہ فقہی امور میں ذاتی رائے کے طریق عمل کے بارے میں صحابہ کے درمیان کچھ اختلاف رائے تھا لیکن اس زیر تبصرہ مدت کے دوران اس اختلاف نے دین میں مسلکی افتراق کی شکل اختیار نہیں کی۔

۹-جہاں تک فقہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں ایک ہی طرز عمل جاری رہا یعنی مذہب کی وحدت (مسلکی اختلاف کا وجود نہ ہوتا) لیکن مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور کوفہ (عراق) میں عبداللہ بن مسعود جیسے صحابہ کا اپنی ذاتی رائے پیش کرنے میں مختلف طریق عمل اس بات کا غماز تھا کہ مسلم فقہا مختلف مذاہب (مسلک) میں تقسیم ہو جائیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

تیسرا دور:

تعمیر و تشکیل

یہ دور بنوامیہ کے عروج وزوال کے عرصہ پر محیط ہے۔ بنوامیہ کا عہد اقتدار آخری خلیفہ راشد علی ابن طالب کی رحلت (٦٦١ء) سے شروع ہوا۔ معاویہ بن ابی سفیان کے اقتدار میں آنے سے لے کر آخری اموی خلیفہ آٹھویں صدی عیسوی کے تقریباً نصف تک پہنچ کر ختم ہوا۔

اس دور میں شدید معاشرتی شورش نمودار ہوئی۔ امت مختلف فرقوں اور مسلکوں میں بٹ گئی۔ خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کر لی اور متعدد نئے طریقہ ایجاد کئے گئے جن میں سے کئی حرام تھے۔ علماء نے سلاطین وخلفاء کے دربار میں حاضری سے انکار کر دیا اور دارالخلافہ چھوڑ کر دور دراز کے شہروں میں چلے گئے تاکہ حکومت کے ساتھ تصادم سے بچیں۔

جہاں تک قوانین شریعت اور فقہی مسالک کے ارتقاء کا مسئلہ ہے یہ دور اپنے تین رجحانات کے فروغ کے لئے معروف ہے:

اول یہ کہ اس دور میں اجتہادی فیصلے بکثرت کئے گئے کیونکہ علماء کے دیگر شہروں میں منتشر ہو جانے کے سبب اجماع کی شکل پیدا ہونا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

دوسرے یہ کہ احادیث بیان کرنے کا عام رواج ہو گیا اور اسی کے ساتھ موضوع احادیث روایت کرنے کی ذہنیت کو بھی فروغ ہوا۔

تیسرا یہ کہ اسی دور میں فقہ کی تدوین شروع ہوئی جس کا مقصد صحابہ کے اجتہاد کو محفوظ کرنا تھا۔ اسی دور میں یہ بھی ہوا کہ فقہا کئی واضح مکاتب فکر میں تقسیم ہو گئے اس کے نتیجہ میں مختلف فقہی مسلک وجود میں آئے جو بالآخر چار بڑے فقہی مسلکوں میں محدود ہو گئے۔

فقہ پر اثر انداز ہونے والے عوامل:

فقہ اور فقہی مذاہب کے ارتقاء کی تاریخ میں یہ دور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی کے

Marfat.com

پیش نظر متعلقہ سیاسی، معاشرتی اور مذہبی پہلوؤں پر تفصیل سے بحث اور غور وفکر ضروری ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

امت میں افتراق:

اس دور کی پہلی چوتھائی صدی کے دوران امت مسلمہ کو متعدد تباہ کن سیاسی و معاشرتی صدموں سے دو چار ہونا پڑا جس کے نتیجے میں کئی نئے فرقہ اور مسلک وجود میں آ گئے۔ ان میں خارجی، شیعہ اور عبداللہ بن زبیر اور ان کے ساتھی قابل ذکر ہیں۔ یہ سب عناصر اقتدار پر قبضہ کے مدعی تھے اور اسی وجہ سے ہر طرف شورش اور آشوب کا ماحول پیدا ہو گیا۔

اول الذکر دونوں طائفے یعنی خارجی اور شیعہ آگے چل کر مستقل فرقے بن گئے اور انہوں نے اپنا مخصوص فقہی نظام قائم کر لیا۔ انہوں نے قرآن وسنت کی ایسی تفسیر وتعبیر کی جو ان کے مسلک اور نظریات کے مطابق ہو۔ انہوں نے اکثر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی خدمات کو مسترد کر دیا انہیں مرتد قرار دیا اور اپنے ائمہ وعلماء کو مسند عظمت پر بٹھا کر انہیں اپنا شارع قرار دیا۔

خلفاء بنوامیہ کا انحراف:

اموی خلفاء نے متعدد ایسی رسموں اور روایتوں کو رواج دیا جو دیگر غیر مسلم ریاستوں جیسے بازنطینی، فارسی اور ہندوستانی علاقوں میں رائج تھیں۔ اس میں سے متعدد ایسے طریقے تھے جو صدر اول کے فقہی فیصلوں سے متصادم تھے۔ مثلاً بیت المال کو خلفاء اور ان کے اہل خاندان کے ذاتی خزانہ میں بدل دیا گیا اور ریاست کی آمدنی بڑھانے کے لئے متعدد ایسے ٹیکس عائد کئے گئے جن کی اسلام نے اجازت نہیں دی۔ خلفاء کے دربار میں سرکاری طور پر مغنیہ رقاصائیں، جادوگر اور نجومی مقرر کئے گئے تاکہ تفریح کا سامان فراہم کریں۔ ۶۷۹ء میں امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور لوگوں کو اس کی ولی عہدی تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد خلفاء کے لئے تخت خلافت وراثت بن گیا۔ اور خلافت خاندانی اقتدار میں بدل گئی۔ اس طرح ریاست اور فقہ کا رابطہ ٹوٹ گیا اور ان دونوں کو مربوط ومتحد رکھنے کا ایک

Marfat.com

اہم ترین عامل ضائع ہوگیا۔ان ہی وجوہ کے سبب علماء، خلفاوسلاطین کے دربار میں جانے سے گریز کرتے تھے۔اس طرح شورائیت کا عمل بھی ضائع ہوگیا۔

ہر نئے خلیفہ کی آمد کے ساتھ خلافت آمریت کی بدترین شکل اختیار کرتی گئی بالکل ویسی ہی جیسی اس علاقے کے دیگر غیر مسلم ممالک میں رائج تھی۔ چنانچہ بعض فقہا نے اپنی کج روی کا جواز ثابت کرنے کے لئے فقہ میں تحریف کی جسارت بھی کی۔اس قسم کی تحریفوں سے امت کو بچانے اور آئندہ نسلوں کے لئے مستند فقہ کی حفاظت کی خاطر علماء نے صدر اول کے فقہ کی تدوین وشیرازہ بندی کا کام شروع کیا۔

علماء کی ہجرت:

اس دور کے متعدد علماء اموی اقتدار کے مراکز سے ہجرت کر گئے تاکہ تنازعات اور ذہنی انتشار اور دیگر فرقوں کے جبر سے محفوظ رہیں۔علماء کے اس طرح منتشر ہوجانے سے اجماع کا حصول بہت مشکل ہوگیا۔کیونکہ جب علماء خلافت کی حدود میں واقع دیگر ممالک اور شہروں کو ہجرت کر گئے تو کسی نئے مسئلہ پر شرعی فیصلہ صادر کرنے یا اجتہاد کے لئے جو اجماع مطلوب تھا وہ عملاً ناممکنات میں سے ہوگیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے شہروں اور علاقوں میں نئے نئے مسائل پیش آنے کے سبب علماء نے انفرادی طور پر اجتہاد کا عمل شروع کردیا اور اس پر بکثرت عمل کرنے لگے۔ان شہروں یا علاقوں میں جب کوئی ممتاز فقہی عالم سامنے آتا تو علماء اور طالبان علم اس کے گرد جمع ہوجاتے۔اکثر دیگر علاقوں اور شہروں سے بھی علماء اور طلبہ آکر اس نامور عالم کی مجلس میں شریک ہوتے اور اس طرح فقہ اسلامی کے متعدد مسلک (مکتب فکر) فروغ پذیر ہوئے۔کوفہ میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری اسی مرحلے پر نمایاں ہوئے، مالک بن انس مدینہ میں الاوزاعی بیروت میں اور اللیث ابن سعید مصر میں مشہور وممتاز ہوئے۔اس دور کے علماء فقہ میں سے یہ چند نام پیش کئے گئے ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں امتیاز حاصل کیا۔

وضع حدیث:

جیسے جیسے لوگوں میں معلومات حاصل کرنے کا جذبہ بڑھا اسی انداز سے حدیثیں بیان

Marfat.com

کرنے کا رواج بھی بڑھنے لگا۔ اور چونکہ اب حکومت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی نہیں کرتی تھی، لہٰذا علماء اپنی مختلف حیثیتوں میں ان حدیثوں کی تلاش میں نکلتے جو صحابہ اور تابعین نے روایت کی تھیں تاکہ ان کی روشنی میں وہ فتوے دے سکیں۔ اسی عہد میں موضوع حدیثیں بیان کرنے کا فتنہ شروع ہوا اور اسلام کی تاریخ میں پہلی بار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے موضوع حدیثیں منسوب کی جانے لگیں۔ موضوع حدیثیں بیان کرنے والا ہر راوی (کاذب) اپنا اعتبار قائم رکھنے کے لئے موضوع روایات کے ساتھ چند صحیح احادیث بھی بیان کرتا تھا۔ اس کے بعد احادیث کی تدوین کے ساتھ جرح وتعدیل کے علم کا آغاز ہوا جس سے بعد کے علماء کو اجتہاد کے عمل میں سہولت حاصل ہوئی لیکن علم حدیث کے ارتقاء سے پہلے ہی صحیح احادیث کے ساتھ موضوع احادیث کی روایت شروع ہوگئی اور اس نے علوم اسلامی کے زمروں میں بار بھی پالیا اور بعض علماء نادانستہ طور پر ان موضوع روایات کی بنیاد پر فتوے بھی جاری کرنے لگے۔ اس طرح غیر مستند فقہ کا شعبہ وجود میں آیا۔ اسے ان علماء کے ان فقہی فیصلوں سے اور بھی تقویت وتائید حاصل ہوئی جنہوں نے بعض صحیح احادیث کو محض اس غلط فہمی کے سبب مسترد کردیا کہ انہیں بعض جھوٹے راویوں نے بیان کیا تھا۔ (المدخل ص ۲۶-۱۲۱)

عہد اموی میں فقہ کی خصوصیات:

اس دور میں علماء اور طلبہ گویا دو حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ علماء کا ایک گروہ اپنے قیاس کو دستیاب متن تک محدود رکھنا چاہتا تھا جبکہ دوسری جماعت وسیع پیمانے پر قیاس واجتہاد کے حق میں تھی۔ پہلے زمرہ کے علماء ایسے مسائل میں جہاں قرآن وحدیث میں اس کی بابت واضح حکم موجود نہیں تھا فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے۔ ان کا موقف قرآن عظیم کے اس فرمان پر مبنی تھا: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (الاسراء:۳۶) جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کی کھوج میں مت پڑو۔ شریعت کے وہ قوانین جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا انہیں اجتہاد کے لئے پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ جن مسئلوں میں ایسے نظائر موجود نہیں تھے ان پر فیصلہ نہیں کیا جاتا تھا۔ ان علماء کی اس روش کے سبب انہیں اہل الحدیث کہا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ ان علماء اہل حدیث کا مرکز تھا اور ان کا فقہ بیشتر عملی اور حقیقی مسائل کی بابت ہوتا تھا۔

Marfat.com

علماء کے دوسرے طائفہ کا کہنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام وقوانین نازل فرمائے ہیں ان کی بنیاد کسی معقول وجہ پر ہے خواہ اللہ تعالیٰ یا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ کی وضاحت فرمائی یا نہ فرمائی ہو۔ جن مسائل میں یہ وجہ واضح نہیں تھی یہ علماء اپنے استدلال کے ذریعہ اس امکانی وجہ تک پہنچنے کی کاوش کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ اس استدلال کو مسئلوں پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے تھے جو اس قسم کے اسباب وامکان سے مماثلت رکھتے تھے۔ ان کا یہ عمل بعض ان صحابہ کی تقلید پر مبنی تھا جنہوں نے قوانین شریعت کی بنیاد پر اجتہاد کیا تھا۔ کیونکہ علماء کا یہ گروہ قیاس اور رائے پر زیادہ انحصار کرتا تھا اس لئے اسے اہل الرائے کا نام دیا گیا یعنی وہ علماء جو استدلال کے قائل ہیں اہل الرائے کا مرکز کوفہ (عراق) تھا۔ عراقی فقہ فرضی مسائل کی بنیاد پر فروغ پذیر ہوا۔ فرضی مسائل وضع کئے جاتے اور متعدد واقعاتی مسائل کے بارے میں قیاس آرائی کی جاتی پھر ان کے ممکنہ حل کے لئے دلائل پیش کئے جاتے جو عموماً مفروضوں پر مبنی ہوتے تھے پھر انہیں لکھ لیا جاتا تھا، اپنی بحث کے دوران یہ لوگ یہ جملہ دہراتے تھے اگر ایسا ہوتا تو کیسا ہوتا۔ اپنے اس قول کے سبب ان لوگوں کو اگر اور کیسا کہنے والے بھی کہا جاتا تھا۔
یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ علماء کے یہ دونوں طائفے دراصل اس رجحان اور منہج کی توسیع تھے جو سب سے پہلے صحابہ کرام کے درمیان ابھرا تھا۔

اختلاف کے اسباب:

اہل الحدیث اور اہل الرائے کے طریق عمل میں جو فرق تھا اسے بعض سیاسی عوامل اور ان دونوں علاقوں کے (جہاں ان مکاتب فکر کو فروغ حاصل ہوا) مختلف معاشرتی وتہذیبی پس منظر کے ساتھ دیکھا جائے تو صورت حال واضح ہو جائے گی۔ آخری خلیفہ راشد (حضرت علیؓ ابن ابی طالب) کے عہد میں دار الخلافہ پہلے عراق اور پھر شام (دمشق) میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس طرح حجاز بیشتر اس شورش اور خارجی عناصر اور تہذیب اور افکار کی یلغار سے محفوظ رہا جن کا دار الخلافہ نشانہ بنا۔ اس شورش اور یلغار سے دور رہنے کے سبب حجاز میں نسبتاً زندگی پرسکون رہی اور روایتی سادگی بھی قائم رہی۔ حجاز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد اور اسلامی ریاست کی جائے پیدائش بھی تھا۔ چنانچہ حجاز میں احادیث کا علم بکثرت پھیلا اور وہ اجتہادی فیصلے بھی جو

Marfat.com

تینوں خلفائے راشدین کے دور میں کیے گئے، اس کے برعکس عراق مسلمانوں کے لئے ایک نئی اور اجنبی سرزمین تھا، جب اسلامی ریاست کا دارالخلافہ وہاں منتقل ہوا اس سے یہ علاقہ مختلف ثقافتوں کے امتزاج سے ہنگامہ خیز بن گیا اور متعدد ایسے واقعات و حالات پیش آئے جن سے علماء اس سے قبل دو چار نہیں ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں چونکہ وہاں مقیم ہونے والے صحابہ کی تعداد بہت مختصر تھی لہٰذا وہاں حدیثیں اتنی کثرت سے نہیں بیان کی جاتی تھیں جتنی حجاز میں جہاں صحابہ کی اکثریت موجود تھی۔ اس کے بجائے عراق وضع احادیث کا مرکز بن گیا اور بیشتر منحرف مسلک بھی اسی خطہ سے ابھرے کیونکہ علماء عراق حدیثوں کی صحت کو جانچنے سے قاصر تھے، لہٰذا وہ علماء حجاز کے مقابلے میں حدیثوں سے کم استفادہ کرتے تھے۔ وہ چند حدیثیں جو علماء عراق نے قبول کیں اور جنہیں وہ صحیح تسلیم کرتے تھے اس کے لئے انہوں نے کافی سخت شرائط وضع کی تھیں۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ عراقی مکتب فکر اور علماء عراق آنحضرت صلی اللہ وسلم کی سنت (احادیث) سے کہیں زیادہ قیاس اور رائے پر بھروسہ کرتے تھے۔

فقہ کی تدوین:

چاروں خلفائے راشدین کے عہد (۶۶۱-۶۳۲ء) کے دوران صحابہ کرام کے جاری کردہ فتووں (مسائل شرعی پر فیصلے) کی تدوین نہیں کی گئی۔ مسلم ریاست تیزی سے پھیل رہی تھی اور ہر شئ ایک مسلسل تغیر کے عالم میں تھی۔ روایت حدیث کا آغاز بھی اسی دور میں ہوا تھا اور مسلمانوں کا وہ اولیں طائفہ جو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنے والوں پر مشتمل تھا اب مسلمانوں کی نئی نسل کی اصلاح و تربیت کی اہم اور گراں بار ذمہ داری کی بجا آوری کر رہا تھا۔ لہٰذا اس دور میں نہ اتنی فرصت میسر تھی اور نہ یہ موقع تھا کہ صحابہ کرام کے فتووں کو مرتب کیا جائے۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام بھی اپنے اجتہاد کو خطا و نسیان سے ماوراء نہیں سمجھتے تھے اور نہ اسے امت کے لئے واجب الاطاعت قرار دیتے تھے بلکہ ان کا اجتہاد کسی مخصوص صورت واقعہ یا وقت کے تقاضے کے مطابق ہوتا تھا۔ اموی دور میں فتاوی کی تدوین کا اولیں دور شروع ہوا۔ جب نظام حکومت خلافت سے ملوکیت میں تبدیل ہو گیا تو بکثرت ایسے فیصلے صادر کئے گئے جو صحابہ کرام کے اجتہاد سے متصادم تھے۔ وہ علماء جنہوں نے مختلف مراکز علمی میں صحابہ کرام سے علم اور تربیت حاصل کی تھی

Marfat.com

انہیں خدشہ ہوا کہ اگر ان اولیں اجتہادی فیصلوں کو محفوظ رکھنے کے لئے متحدہ طور پر کاوش نہیں کی گئی تو امت کی آئندہ نسلیں صحابہ کرام کے ان گراں قدر اجتہادی فیصلوں سے استفادے سے محروم رہ جائیں گی۔ چنانچہ صدر اول کے محدثین نے حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عائشہ بنت ابوبکر (ام المومنین) کے فتاوی کی تدوین کا کام کیا۔ اسی طرح علماء عراق نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب کے فتوے مرتب کئے۔ بدقسمتی سے ان فتاوی میں سے ایک بھی اپنی اصل کے مطابق باقی نہیں رہا۔ اب یہ دوسری نسل کے علماء کی کتابوں میں محض حوالے کے طور پر ہی دستیاب ہیں۔ تاہم اصل فتاوی کی ایک کثیر تعداد روایت کی شکل میں مجموعہ ہائے احادیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں اور بعد کی فقہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

خلاصہ:

۱- فقہ کی تدوین کا پہلا عمل اموی دور خلافت میں شروع ہوا۔

۲- اس عہد کے علماء فقہ دو اہم رجحانات کی نمائندگی کرتے تھے: ایک جماعت اہل الحدیث اور دوسری اہل الرائے کے نام سے معروف تھی۔ صحابہ کرام کے مختلف علاقوں کو ہجرت کرنے کے بعد انفرادی اجتہاد کی کثرت ہوگئی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے متعدد فقہی مسلک وجود میں آئے۔

کیونکہ علماء اموی دربار کے فاسد ماحول کے سبب اس سے دور رہتے تھے لہٰذا اجماع اور حکومت کے شورائی نظام کا خاتمہ ہوگیا۔

۴- اموی دور میں سنت سے انحراف کا جو ماحول پیدا ہوگیا تھا اسے دیکھتے ہوئے ان علماء نے جو مختلف شہروں میں مقیم تھے، اسلام کے بنیادی اصولوں کے تحفظ کی خاطر بکثرت روایت حدیث پر انحصار کرتے تھے اور ممتاز صحابہ کرام کے فتاوی کی تدوین کا عمل بھی انہوں نے ہی شروع کیا۔

۵- یہ دور معاشرتی اضطراب اور بحران کا تھا۔ اسی دور میں متعدد مذہبی فرقوں اور سیاسی جماعتوں کی ابتداء ہوئی۔

۶- اسی مرحلہ پر مسلکی نظریات وعقائد کی تائید میں حدیثیں وضع کرنے کی بدعت شروع ہوئی، لہٰذا علماء نے احادیث کی جرح و تعدیل کا کام شروع کیا تاکہ صحیح احادیث کو موضوع احادیث سے الگ کیا جائے۔

Marfat.com

چوتھا دور:

عروج

یہ دور کم و بیش ۷۵۰ء سے ۹۵۰ء تک پھیلا ہوا ہے اور بنو عباس (خلافت عباسیہ) کے عروج و اقتدار پر محیط ہے۔ خلافت عباسیہ کا بانی خلیفہ ابو العباس (۷۵۰-۷۵۴ء) تھا۔ اس دور میں خلافت عباسیہ کا آغاز عروج اور پھر زوال ہوا۔ اسی دور میں فقہ کو علوم اسلامیہ کے ایک مستقل علمی شعبہ کی حیثیت سے فروغ ہوا، خلیفہ نے علماء کی سرپرستی کی، اس دور میں متنازعہ فیہ امور پر بحث و مباحثہ بھی بہت عام ہو گیا، متعدد مسلک وجود میں آئے، احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے، فقہ کی تدوین بھی ہوئی، سائنس فلسفہ اور دینیات کی کتابوں کے دیگر زبانوں سے عربی میں ترجمے کئے گئے اور ان کا اثر اسلامی فکر و نظر پر نمایاں ہوا۔ اسکے اختتام تک فقہ دو واضح شعبوں میں تقسیم ہو چکا تھا بنیادی اصول (اصول) اور سائنس فلسفہ اور دینیات کی کتابوں کے ثانوی اصول (فروغ) شرعی قوانین کے ماخذ کی نشان دہی کی گئی اور اہم فقہی مکاتب فکری میں اختلافات رونما ہوئے اور وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ (المدخل ص ۱۲۸)

فقہ کا فروغ:

اس دور میں فقہ کے فروغ میں دو اہم مکاتب فکر کے رجحان واضح تھے: پہلا رجحان ائمہ اربعہ کے دور میں شروع ہوا۔ یہ ائمہ علیحدہ فقہی مکاتب فکر کے بانی تھے، اس کے فروغ میں ان کے ممتاز تلامذہ کا نام بھی نمایاں طور پر آتا ہے۔ اگرچہ یہ فقہی مسالک تیزی سے ایک مستقل شکل اختیار کر رہے تھے لیکن انہوں نے فیصلہ سازی کے کام میں اس لچک اور نرمی کو برقرار رکھا جو فقہاء متقدمین کی خصوصیت تھی۔ دوسرا دور وہ ہے جو ان عظیم ائمہ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ یہی وہ دور ہے جب فتاویٰ جاری کرنے اور مسائل کے استنباط میں سخت گیری کے رجحان کو فروغ ہوا اور پھر آئندہ نسلوں میں یہ سخت گیری فقہ کی خصوصیت بن گئی۔

Marfat.com

ائمہ عظام کا دور:

ان ائمہ عظام (۷۵۰-۸۵۰ء) اور ان کے ممتاز تلامذہ کے عہد میں فقہ کے فروغ پر مندرجہ ذیل عوامل اثر انداز ہوئے:

ا-حکومت کی جانب سے علماء کی سرپرستی:

عہد اول کے خلفاء عباسیہ نے قوانین شرعی اور علماء سے عقیدت کا مظاہرہ کیا۔اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ عباسیوں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ شریعت اور اس کی معتبر تشریح کی بنیاد پر خلافت کو اس کی اصل بنیادوں پر دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی عہد کے خلفاء عباسیہ اپنے بچوں کو ممتاز علماء کے مدارس میں تعلیم کے لئے بھیجنے پر فخر کرتے تھےاور ان میں سے بعض خلفاء خود ممتاز عالم بن کر ابھرے، مثلاً خلیفہ ہارون الرشید مدت خلافت (۷۸۶-۸۰۹ء) علاوہ ازیں ان خلفاء نے یہ دستور بھی بنالیا تھا کہ وہ اہم فقہی امور میں ممتاز علماء سے مشورہ کرتے تھے۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خلیفہ مامون عباسی نے امام مالک کو اس پر مامور کیا کہ وہ احادیث نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم کا ایک مستند مجموعہ مرتب کریں۔ جب یہ نسخہ مرتب ہوگیا تو مامون نے امام مالک سے مشورہ کیا کہ آیا وہ اسے اجازت دیتے ہیں کہ اس مجموعہ کو خلافت کا دستور بنادے جس سے فقہ مالکی کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم ہو جاتی۔لیکن امام مالک نے اس سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کتاب میں انہوں نے جو احادیث شامل کی ہیں ان سے اہل حجاز باخبر ہیں کیونکہ وہیں انہوں نے اپنا فقہی مکتب فکر قائم کیا تھا۔دوسرے یہ کہ امام عالی مقام اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ امت کو کسی ایک فقہ کا پابند بنایا جائے کیونکہ ایک فقہی مسلک میں متعدد ایسی حدیثیں شامل نہیں ہوں گی جو ان صحابہؓ نے بیان کی تھیں جنہوں نے خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں دیگر شہروں اور ملکوں کو ہجرت کی۔ (ترجمہ موطأ امام مالک محمد رحیم الدین) یہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ ائمہ عظام سخت گیری کو پسند نہیں کرتے تھے۔خلفاء کی جانب سے فقہا کی سرپرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی خلافت کے دور آخر میں متعدد فقہی مسلک نمودار ہوگئے تھے۔

Marfat.com

لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر چہ علماء اور قضاۃ کو اپنے حدود کار میں خاصی آزادی عمل حاصل تھی تاہم اگر وہ کوئی ایسا فیصلہ صادر کرتے جو سیاسی پالیسی سے متصادم ہوتا تو انہیں سنگین سزا دی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر جب امام مالک نے ایک ایسا فتویٰ دیا جو خلیفہ کی پالیسی اور مزاج کے خلاف تھا تو انہیں اذیت دی گئی، زدوکوب کیا گیا اور قید کر دیا گیا۔ وہ پالیسی یہ تھی کہ اگر کوئی شخص خلیفہ کی بیعت توڑ دے تو اس کی بیوی کو خود بخود طلاق ہو جائے گی۔ امام مالک نے فتویٰ دیا کہ جبر کے تحت دی گئی طلاق باطل ہے۔

۲۔ مدارس کا فروغ:

اگر چہ شمالی افریقہ اور اسپین کے خلفاء بنو عباس کی اطاعت سے آزاد ہو گئے تھے تاہم خلافت عباسیہ کی حدود میں فارس، ہندوستان اور جنوبی روس کے علاقے شامل تھے۔ دارالخلافہ ابھی بغداد منتقل نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ فقہی مکاتب کے مرکز اور مدارس پھیلتے رہے۔ علماء اور طالب علم ایک مرکز علمی (مدرسہ) سے نکل کر مزید اور اعلیٰ تعلیم کے لئے خلافت کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی دیگر جامعات کا سفر کرنے لگے تا کہ ان کے ہم عصر علماء نے دیگر ممالک اور شہروں میں واقع مراکز علمی میں جو اجتہادی کاوشیں کی ہیں ان سے باخبر ہو سکیں۔ اس کی ایک مثال حنفی مسلک کے بانی امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد بن الحسن کی ہے وہ امام ابو حنیفہ کے ممتاز شاگردوں میں تھے، انہوں نے عراق سے مدینہ کا سفر کیا کہ امام مالک سے استفادہ کریں اور ان کی احادیث کے مجموعہ موطاء کو حفظ کر سکیں۔ اسی طرح امام شافعی نے جو مسلک شافعیہ کے بانی ہیں پہلے حجاز کا سفر کیا تا کہ امام مالک سے حدیث پڑھیں، وہاں سے وہ عراق گئے تا کہ محمد ابن الحسن سے درس لیں، پھر مصر کا سفر کیا تا کہ امام اللیث بن سعد بانی مسلک لیثی کے آگے زانوئے ادب تہہ کریں۔ اس طرح کے روابط اور سفر سے یہ فائدہ ہوا کہ ان علماء کے درمیان جن متعدد مسلکوں میں اختلاف رائے تھا وہ بڑی حد تک دور ہو گیا اور انجام کار کئی فقہی مسلک اس افہام وتفہیم کے بعد ایک دوسرے میں ضم ہو گئے۔ امام شافعی نے حجازی، عراقی اور مصری فقہ کے امتزاج سے ایک نیا فقہی مسلک رائج کیا جو مسلک شافعی کے نام سے معروف ہے۔ اس میں فقہاء متقدمین کے عہد کی لچک اور نرمی دیکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

بحث ومباحثہ کو فروغ:

جب کبھی علماء اور طالبان علم آپس میں ملتے تو ان مسائل پر تبادلہ خیالات کرتے جو ان کے علاقوں میں پیش آئے تھے۔ ان مختلف اسلامی موضوعات پر بحث وتمحیص کے ذریعہ وہ ان کے حل پر کسی متفقہ رائے پر پہنچنا چاہتے تھے۔ اگر اختلاف رائے باقی رہتا تو گردو پیش بحث اور مناقشہ بھی جاری رہتا تا آنکہ کوئی متفقہ رائے یا متعدد آراء سامنے آجاتیں جو قابل قبول ہوتیں۔ یہ بحث خط و کتابت (مراسلت) کے ذریعہ بھی ہوتی تھی۔ مثلاً امام مالک اور مصر میں مقیم امام اللیث کے درمیان بحث جو کہ اہل مدینہ کی رائے اور دستور کے بارے میں تھی۔ (امام اللیث امام مالک کی اس رائے سے اختلاف کرتے تھے کہ اہل مدینہ کی رائے کو بطور فتویٰ تسلیم کرلیا جائے)

وسیع پیمانے پر یہ بحث ومباحثے خواہ بذریعہ مراسلت ہوں یا بالمشافہ طویل اور تفصیلی تبادلہ خیالات کے ذریعہ ہوں، ان سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ متعدد مسائل کی وضاحت ہوگئی اور کئی ایسے شرعی فیصلے یا ان میں پائی جانے والی غلطیوں کی اصلاح کردی گئی۔

فقہ کے فروغ کے اس ابتدائی مرحلہ میں یہ بات نمایاں ہے کہ علماء کے موقف میں سخت گیری یا ادعائیت نہیں پائی جاتی تھی۔ یعنی مسائل کا واقعیت پسندی سے جائزہ لیا جاتا تھا اور پیش کردہ ثبوت کے جواز کی بنیاد پر کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ عراق میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہ معروف موقف تھا کہ اگر صحیح حدیث مل جائے تو وہی ان کا مذہب ہے۔ اس کی ایک مثال شراب اور دیگر منشیات کے استعمال کی بابت شرعی قانون ہے۔ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ یہ ہے کہ شرعی حرمت محض تخمیر کردہ انگوری سیال (خمر) کی بابت ہے دیگر منشیات اس کے تحت نہیں آتیں۔ اس فتوے کے مطابق منشی سیال اس حد تک جائز ہیں جب تک کہ پینے والے کو نشہ نہ آجائے۔ ھدایۃ المجتھد۔ محمد بن احمد ابن رشد مصر، نیز فقہ السنہ از سید السابق بیروت) لیکن بعد کو ابوحنیفہ کے تین ممتاز شاگردوں ابو یوسف، محمد ابن الحسن اور ظفر نے اس فتوی کو مسترد کردیا کیونکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مل گئی جس میں بتایا گیا ہے کہ ہر نشہ آور شئ خمر کے تحت آتی ہے۔

یہ آزادانہ تبادلۂ خیال اور اپنے مسلک کے بانی کے فتوے کو بھی مسترد کردینے کا اقدام

Marfat.com

اور جذبہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اس دور میں موقف میں سخت گیری یا اپنے مسلک کی کورانہ حمایت کا رجحان نہیں تھا جو کہ بعد کے ادوار میں مسلکی فقہا کی شناخت بن گیا۔

عام علماء کا دور:

ان مسالک کے علمائے صغیر کے دور (۹۵۰-۸۵۰ء) یعنی علماء کی دوسری نسل کے عہد میں فقہ کے فروغ پر مندرجہ ذیل عوامل اثر انداز ہوئے:

۱-فقہ کی تدوین:

فتاویٰ جمع کرنے اور ان کی بابت اصول وقواعد مرتب کرنے کی غرض سے اولیں دور کے علماء نے اپنی عمروں کا بڑا حصہ طویل سفر میں گزارا تا کہ احادیث اور آثار صحابہ کو حاصل کر سکیں۔ اس دور میں علماء احادیث کو تلاش کر کے انہیں باضابطہ طور پر کتابوں میں محفوظ کرتے تھے۔ اس سے دیگر علماء کو بلا تردد احادیث پر غور کرنے اور ان کے اطلاق پر غور کرنے کے مواقع حاصل ہو جاتے تھے۔ اسی عہد میں فقہ کی بھی باضابطہ تدوین عمل میں آئی۔ بعض علماء نے اپنے فتاویٰ خود مرتب کیے جبکہ دیگر ائمہ جیسے ابو حنیفہؒ اور احمدؒ بن حنبل نے اپنے فتاوے اور فیصلے اپنے شاگردوں کو املا کرائے، بعد کو ان کے ان تلامذہ نے کتابوں کی شکل میں ان کی تدوین کی۔ امام مالکؒ کی موطا میں احادیث، آثار صحابہ اور امام کی اپنی رائے (فتوے) بھی شامل ہیں۔ امام شافعیؒ کی فقہی تصنیف ''الام'' میں ان کے فتوے اور ان کے شواہد شامل ہیں۔

تالیفات کی اقسام:

ابتدائی دور کی فقہ کی کتابیں، فتاوی احادیث، آثار صحابہ وتابعین پر مشتمل ہوتی تھیں۔ امام مالک کی تالیف موطا اس کی ایک واضح مثال ہے۔

۲-فقہ کی کچھ کتابیں فقہ کے بنیادی اصولوں کے موضوع پر ہیں۔ ان میں احادیث محض اس لئے بیان کی گئی ہیں تا کہ مصنف کے استنباط کو صحیح ثابت کیا جائے۔ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور امام شافعی کی الام اس کی مثالیں ہیں۔

۳-فقہ کی دیگر کتابوں میں اصول فقہ کے اطلاق پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور احادیث کے بہت

Marfat.com

کم حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان کتب کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے زیر بحث موضوعات کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ امام محمد ابن الحسن جو ابو حنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے کی ۶ جلدیں اور امام ابن قاسم (وہ بھی امام ابوحنیفہ کے ممتاز شاگرد تھے) کی المدونہ اس طرز تحریر کی مثالیں ہیں۔

سب سے پہلے مختلف مسلکوں پر فتاوی کے دلائل وشواہد کی ترتیب کے ساتھ احادیث کا متن اور سلسلہ روایت کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر بتدریج راویوں کی تفصیل کم کر کے صرف متعلقہ حدیث کا متن اور جس مجموعہ حدیث میں اسے نقل کیا گیا ہے اس کے حوالہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

احادیث کے اقتباس کو کم کر کے یا ان کے راوی یا اسناد کے بیان کو نظر انداز کرنے سے ان مسالک کا موقف سامنے آ گیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ احادیث (سنت) یعنی دین کے دوسرے بنیادی سرچشمہ پر اپنے مسلک کی رائے کو ترجیح دینے کا رجحان ابھرا اور اس سے فقہ میں سخت گیری کا آغاز ہوا جو بعد کو اس کی شناخت بن گئی۔ بہر حال بعد کو اس دور میں بعض ممتاز علماء نے کسی حد تک اس رجحان کو بدلنے کی کوشش کی، انہوں نے احادیث کے راویوں اور احادیث کی صحت پر گفتگو کا طریقہ پھر شروع کیا۔

۲۔ درباری مباحث:

اسی دور میں درباری مباحث کا آغاز بھی ہوا، یہ بحثیں خلیفہ اور اس کے امراء کی دلچسپی اور تفریح طبع کی خاطر کی جاتی تھیں۔ ساحروں، گویوں، سازندوں اور مسخروں کی طرح بعض علماء بھی اس درباری طائفہ کا حصہ بن گئے تھے۔ (اسلام ایک دینی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی مطالعہ حسن ابراہیم حسن۔ بغداد یونیورسٹی) یہ علماء خلیفہ کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مسابقت کرتے تھے اور صرف بحث کی خاطر موضوعات وضع کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ جو عہد صحابہ اور صدر اول کے علماء کے دور میں ارفع مقاصد کے لئے ارتقاء پذیر ہوا تھا اب فرضی مسائل پر درباری شاہی کی مضحکہ خیز بحثوں کا عنوان بن گیا۔

یہ بحثیں ہمہ جہتی اور ادعائیت کا انداز لئے ہوتی تھیں کیونکہ ان بحثوں میں پسپا ہونے کا

Marfat.com

مطلب شاہی انعام سے محرومی تھا اور عالم کی ذاتی ناموری اور علمیت پر بھی حرف آتا تھا۔ بحث میں شکست سے اس عالم کی ذاتی شہرت کے ساتھ اس کے مسلک کی سبکی بھی ہوتی تھی۔ لہٰذا اس ہزیمت و رسوائی سے بچنے کے لئے حق و ناحق بہر طور اپنے مسلک کا دفاع کیا جاتا تھا اور اسے کار خیر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ درباری علماء میں مسلک کی کورانہ حمایت کا رجحان تیزی سے ابھرا۔

۴۔ احادیث کی تدوین:

بہر کیف علماء حدیث جو تدوین حدیث اور جرح تعدیل کے ماہر تھے ان میں اس کے خلاف رجحان ابھرا اور انہوں نے فقہی مسائل پر مروجہ مسلکی ر... گئے فتووں کو نظر انداز کر کے نئے انداز سے غور کیا، بالفاظ دیگر انہوں نے احادیث پر انحصار کر کے صدر اول کے علماء کی نرم روش کو اپنایا۔ جہاں کہیں سے انہیں صحیح حدیث ملی اسے اپنی فکر و استدلال کی بنیاد بنایا اور فتووں کو محض اس لئے کورانہ انداز میں تسلیم نہیں کیا کہ ممتاز علماء متقدمین کے قلم سے نکلے تھے۔ فقہی مسائل پر احادیث کی روشنی میں غور کرنے کے لئے عظیم ائمہ حدیث مثلاً امام بخاری (۸۷۰-۸۱۰ء) امام مسلم (۸۷۵-۸۱۷ء) نے صحیح احادیث اور آثار صحابہ جمع کرنے میں بے حد محنت کی۔ ان مجموعہ ہائے احادیث کو انہوں نے فقہا کے طرز پر ابواب کی شکل میں مرتب کیا۔ اس رجحان کے موجد آخری عظیم امام احمد بن حنبل تھے جنہوں نے احادیث کی سب سے زیادہ مبسوط اور جامع کتاب المسند مرتب کی، اپنی اس کتاب میں انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب سے راوی صحابہ کے ناموں کو مرتب کیا۔ دونوں ائمہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم ان کے تلامذہ میں سے تھے۔

فقہ کی تنظیم:

اگرچہ روم، یونان، فارس اور ہندوستان میں مرتب کی گئی سائنس اور فلسفہ کی کتابوں کے تراجم کئے گئے۔ (اکثر تراجم اس دور کے نصف اول (۸۳۰-۷۵۰ء) کے دوران کئے گئے لیکن ان کے اثرات اس دور کے نصف ثانی میں ہی محسوس کئے گئے) علماء کو ان تراجم سے اخذ و استخراج و استدلال اور جہتوں کا عرفان ہوا۔ نئے علوم فقہ کی بابت ان کے انداز فکر پر اثر انداز ہوئے اور

Marfat.com

انہوں نے فقہ کے اصول اور فروع مرتب کئے۔ مرور ایام کے ساتھ اسی اثر کے تحت تفسیر، حدیث اور نحو (عربی گرامر) علوم اسلامی کے مستقل شعبوں کی شکل میں فروغ پذیر ہوئے۔

فقہ کے بڑے اور ممتاز علماء کے موقف کو ضبط تحریر میں لایا گیا اور شریعت اسلامی کے اصل ماخذ کی نشان دہی اور باعتبار اہمیت ان کی درجہ بندی کی گئی۔

اسلامی قوانین کے مأخذ:

اس دور کے آخر میں اسلامی قوانین کے مأخذ کے طور پر درج ذیل مأخذ کو مندرجہ بالا ترتیب کے مطابق علماء نے تسلیم کر لیا تھا۔

۱-قرآن عظیم:

قرآن عظیم اسلامی قوانین کا اولین ماخذ ہے اور اس کی سورتوں کو متفقہ طور پر مستند مأخذ تسلیم کیا گیا۔ تاہم بعض آیات قرآنی کے ترجمہ وتعبیر میں کچھ اختلافات ضرور تھے۔

۲-سنت:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اہمیت میں دوسرے درجہ پر ہیں۔ ان احادیث کو قبول کرنے اور ان کے اطلاق کی بابت علماء نے متعدد شرائط قائم کیں۔

۳-صحابہ کے اقوال وآراء:

صحابہ کی آراء کو خواہ وہ کسی جماعت کی ہو یا فرد کی، اسلامی قانون کا تیسرا بڑا اور اہم ماخذ تسلیم کیا گیا۔ صحابہ کرام کے اختیار کردہ موقف کے اعتبار سے انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا گیا:

(الف) اگر وہ کسی مسئلہ پر متفق الرائے تھے تو اسے اجماع کا نام دیا گیا۔

(ب) اگر وہ کسی مسئلہ پر اختلاف رائے رکھتے تھے تو ہر ایک قول کو رائے سے تعبیر کیا گیا۔

۴-قیاس:

اجتہاد جس کی بنیاد قرآن وسنت اور اجماع پر ہو اسے اہمیت کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر رکھا گیا۔ اجتہاد کا طریقہ قرآن وسنت میں پائے جانے والے کسی حکم کی روشنی میں غور وفکر کر کے نتیجہ اخذ کرنا ہے اسے قیاس کہا جاتا ہے۔ قیاس کی ایک مثال ماری جوانا کے حرام ہونے

Marfat.com

کی بابت ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بنیاد پر ہے کہ ہر نشہ آور شئ خمر ہے اور خمر کی ہر صورت حرام ہے (صحیح مسلم) کیونکہ ماری جوانا کے استعمال سے بھی نشہ ہوتا ہے اس لئے اسے خمر شمار کر کے حرام قرار دیا گیا۔

۵-استحسان: (ترجیح)

اس اصول کے تحت قیاس پر قرآنی ضرورت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ اصول جسے استحسان کہا جاتا ہے مختلف مسلکی مکتب فکر کے علماء نے اس کا استعمال کیا ہے۔ کسی شئ کو بنانے اور فروخت کرنے کے لئے کئے گئے معاہدے میں اس استحسان کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اشیائے خوردنی فروخت کرتا ہے اسے اس وقت تک یہ سامان فروخت نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ وہ اس کی تحویل میں نہ ہو۔ (حضرت ابن عمر کی روایت پر اسے امام مالک نے اپنی موطاء میں نقل کیا ہے) اس حدیث پر مبنی قیاس کی رو سے اس قسم کا سودا جائز نہیں کیونکہ سامان موجود نہیں ہے۔ لیکن کاروبار کے اس طریقہ کو عام طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے اور اس قسم کے سودے کی ضرورت بھی ظاہر ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں قیاس کو رد کر کے ایسے سودے کی اجازت دیدی گئی۔ یہ اجازت استحسان کے اصول پر مبنی ہے۔

۶-عرف (دستور)

مقامی رواج اور دستور کو اس حد تک تسلیم کیا گیا کہ اگر وہ شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوں تو قابل قبول ہیں۔ مثلاً شادی میں مہر کی ادائیگی کا دستور۔ شریعت اسلامی کے تحت مہر فریقین کی رضامندی سے مقرر کیا جانا چاہئے اور یہ شادی کا لازمی جزو ہے لیکن مہر کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت متعین نہیں کی گئی۔ مصر اور دیگر علاقوں میں دستور ہے کہ مہر کی رقم کا ایک حصہ جسے مقدم کہتے ہیں شادی کے موقعہ پر ادا کرنا لازمی ہے جبکہ بقیہ رقم جسے موخر کہا جاتا ہے طلاق یا وفات کے وقت ادا کی جائے گی۔ (اصول فقہ الاسلامی از محمد مصطفیٰ شلابی بیروت)

عرف کی ایک اور قسم کرایہ داری کے دستور میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شرعی اصول کے مطابق

Marfat.com

جب تک سامان خریدنے والے کے حوالے نہ کردیا جائے اس وقت اس کی قیمت ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ عام دستور ہے کہ کرایہ پر دیئے گئے مقام یا شئ کے مقررہ مدت تک استعمال کئے جانے سے پہلے کرایہ یا اجرت کی رقم ادا کردی جاتی ہے۔

اگرچہ نظم اور درجہ بندی کا یہ طریقہ بڑی حد تک ایک مثبت رجحان تھا تاہم مروجہ مسلکی رجحان کے سبب اس سے مسلکی خلیج میں اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی اصطلاح جو ایک ہی اصول سے منسوب ہے اس میں حقیقت کی تبدیلی اختلاف وافتراق کا سبب بن گئی۔ مثال کے طور پر فقہ مالکی میں فقہ حنفی کے اصول استحسان کو مسترد کردیا گیا لیکن اسی اصول کو مصالح مرسلہ کا نام دے کر استعمال بھی کیا گیا۔ فقہ شافعی میں ان دونوں اصطلاحات کو رد کردیا گیا اور استصحاب کے نام سے ایک تیسری اصطلاح وضع کی گئی۔

خلاصہ:

۱- اس عہد میں فقہ نے علوم اسلامی کے ایک مستقل شعبہ کی شکل اختیار کرلی۔
۲- خلافت بنوامیہ کے آخری دور میں جو متعدد فقہی مسلک وجود میں آئے تھے انہیں خلفائے عباسیہ کی سرپرستی کے تحت فروغ ہوا اور حدود خلافت میں متعدد تعلیمی مراکز (مدارس) قائم ہوئے۔
۳- پہلی بار مختلف مسالک کے فقہ کو باضابطہ طور پر وسیع پیمانے پر کامیابی سے مدون کیا گیا۔
۴- فقہ کو باضابطہ طور پر مرتب کیا گیا اور اس کے دو حصے ہوگئے اصول اور فرع اور شریعت اسلامی کے اصل مآخذ کی باقاعدہ تعریف اور درجہ بندی کی گئی۔
۵- اسی دور میں سنت کو بھی یکجا کیا گیا اور اسے حدیث کی کتابوں میں جمع کیا گیا۔
۶- اس دور کے نصف اول میں مختلف فقہی مسالک کے بانیوں کے درمیان تبادلہ خیالات وسیع پیمانہ پر جاری رہا۔ لیکن ان کے تلامذہ کی دوسری نسل کے تحت افہام وتفہیم اور نرمی کے اس رجحان کی جگہ سخت گیری نے لے لی۔

۵- مذاہب- اسلامی قوانین کے مکاتب فکر:

پچھلے ابواب میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح فقہی مسالک کا ارتقاء عمل میں آیا، اس دور

Marfat.com

کے تاریخی سیاق وسباق میں فقہ ارتقاء پذیر ہوا۔ عہد نبوت میں فقہ کی بنیاد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اجتہاد سے پڑی۔ اس دور میں بنیاد وحی جو قرانی شکل میں مرتب کی جاتی تھی اور سنت نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم ہی اسلامی قوانین کے مأخذ تھے بالفاظ دیگر اس دور میں ایک ہی مکتب فکر تھا جو مذہب محمدی تھا۔

بعد کے دور یعنی خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں فقہ کے اصول ''اجماع کا ارتقا ہوا اور اجتہاد نے قیاس کے نام سے فقہ کی ایک مستقل شکل اختیار کرلی۔ اس دور میں فقہ دراصل خلیفہ راشد کی رائے پر مشتمل تھا کیونکہ ان مسائل میں خلیفہ کی رائے ہی حرف آخر سمجھی جاتی تھی۔ تاہم جو بھی فیصلے کئے جاتے تھے وہ احادیث کی روشنی میں تبدیلی کے ساتھ مشروط تھے۔ لہٰذا ان میں کسی سخت گیری یا مسلکی جانب داری کا سوال نہیں تھا۔ خلافت بنوامیہ کے ابتدائی عہد میں علماء فقہ اجتہاد کے سوال پر دو مسلکوں میں تقسیم ہو گئے یعنی اہل الرائے اور اہل الحدیث۔ پھر جب خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی تو یہ دو مسلک متعدد دیگر ذیلی مسلکوں میں تقسیم ہو گئے کیونکہ اب خلیفہ یا بادشاہ مذہبی سربراہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ علماء اور ان کے تلامذہ خلافت بنوامیہ کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے لہٰذا مقامی مسائل کے حل کے لئے ان کے انفرادی اجتہاد میں اضافہ ہوا۔ اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ بنوامیہ اور بنوعباس کے ابتدائی دور میں تلامذہ اپنے اساتذہ بکثرت تبدیل کرتے تھے اور مسئلوں پر آزادانہ تبادلہ خیالات کرتے تھے اس طرح پہلے دور کی نرمی اور وسیع الخیالی کا رواج باقی تھا جیسا کہ کتاب کے ساتویں آٹھویں باب میں وضاحت کی جائے گی۔ خلافت عباسیہ کے آخری دور میں فقہ کی باضابطہ تدوین کی گئی۔ مسالک کی تعداد کم ہوگئی لیکن حکومت کی جانب سے کسی ایک مسلک کو دوسرے مسالک پر ترجیح دیئے جانے کے سبب ان کے درمیان اختلافات شدید ہو گئے اور دربار شاہی میں ہونے والے مباحث کے سبب ان مسلکوں کے درمیان رقابت کو فروغ ہوا۔ خلافت عباسیہ کی بربادی اور اجتہاد کی کمی بالآخر اس کے فقدان پر منتج ہوئی۔ مسالک کی تعداد گھٹ کر صرف چار رہ گئی جو بعد کو واضح اور علیحدہ مستقل مسلک بلکہ اکثر ایک دوسرے کے مخالف کی شکل میں ارتقاء پذیر ہوئے۔ ان مسالک کے پیروکار مسلکی اختلافات کی خلیج کو ناقابل عبور سمجھتے تھے۔ مسلکی انتہا

Marfat.com

پسندی اور فرقہ بندی عام ہوگئی تھی کیونکہ ہر دور اور ہر مقام پر شریعت کے نفاذ کے لئے اجتہاد ضروری تھا لہٰذا اس بنیادی اصول کے فقدان کے سبب لازمی طور پر جمود کا دور شروع ہوا اور فقہ زوال پذیر ہو گیا۔

آئندہ دو ابواب میں ہم فقہی مذاہب کا ان کے بانیوں کے حوالے سے باریکی کے ساتھ تاریخی ترتیب کے تحت مطالعہ کریں گے اور ان کے تشکیلی اور کارکردگی کے اصولوں پر نظر ڈالیں گے اس کے بعد ہم ان اہم اسباب کا بیان کریں گے جو ان کے درمیان اختلافات کا باعث بنے۔

حنفی مسلک۔ بانی مسلک۔ امام ابوحنیفہ (۷۶۷-۷۰۳ء)

یہ مسلک اپنے بانی امام ابوحنیفہ کے نام سے منسوب ہے۔ امام ابوحنیفہ کا اصل نام نعمان بن ثابت تھا، وہ ۷۰۳ء میں کوفہ (عراق) میں پیدا ہوئے، ان کے والد فارسی النسل تھے اور ریشم کی تجارت کرتے تھے، وہ خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمان ہوئے۔ ابوحنیفہ نے اپنا ابتدائی دور تعلیم فلسفہ اور منطق (علم الکلام) سے شروع کیا پھر اس کی مختلف شاخوں کے مطالعہ کے بعد اسے چھوڑ دیا اور فقہ اور حدیث کا گہرا مطالعہ کیا۔ ان کے اہم اساتذہ میں حماد بن زید تھے جو اپنے وقت کے بہت ممتاز محدث تھے ابوحنیفہ ۱۸ سال تک ان کی خدمت میں رہے، اس دوران انہیں مسند تدریس کے لئے اجازہ بھی ملا لیکن وہ شیخ حماد بن زید کی خدمت میں ہی رہے ۷۴۲ء میں شیخ وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ابوحنیفہ نے چالیس سال کی عمر میں مسند درس سنبھالی اور جلد ہی وہ کوفہ کے معروف ترین اساتذہ میں شمار کئے جانے لگے۔ اس طرح وہ اس وقت کے اموی خلیفہ کے لئے ایک بڑا علمی اثاثہ بن گئے۔ انہیں کوفہ کے قاضی کا منصب پیش کیا گیا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کی پاداش میں امیر کوفہ یزید بن عمر نے انہیں جسمانی اذیت بھی پہنچائی۔ اسی طرح خلافت عباسیہ کے دور میں بھی انہوں نے شاہی منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ ابوجعفر منصور (۷۷۵-۷۵۴ء) نے انہیں قید کر دیا اور وہ اپنی وفات ۷۶۷ء میں قید خانہ میں ہی رہے۔ ابوحنیفہ کا شمار تابعین صغیر میں ہوتا ہے کیونکہ بعض صحابہ سے انہوں نے ملاقات کی تھی۔ اور ان سے کچھ احادیث

Marfat.com

بھی بیان کیں۔(المدخل ۷۲-۱۷۱)

حنفی مذہب کی تشکیل:

ابوحنیفہ نے اپنے طریقہ تعلیم کی بنیاد شوریٰ (اجتماعی مباحثہ) پر رکھی۔وہ اپنے شاگردوں کے سامنے کوئی مسئلہ رکھتے اور اس پر بحث ومباحثہ ہوتا جب وہ کسی متفقہ فیصلے پر پہنچتے تو ان سے کہا جاتا کہ وہ اپنا فیصلہ (فتوی) لکھیں۔اس طرز تعلیم کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہ حنفی جہاں خود امام ابوحنیفہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے وہیں اس کی تشکیل وتدوین میں ان کے شاگردوں کا بھی اہم حصہ ہے۔ان کے شاگرد فرضی مسائل پیش کرتے تھے اور ان کے حقیقی طور پر عمل میں آنے سے قبل ہی اپنا فیصلہ صادر کر دیتے تھے۔ان کے ان مفروضہ مسئلوں کے سبب جن کا آغاز عموماً اس طرح ہوتا تھا کہ اگر ایسا ہو جائے تو کیا ہوگا سے ہوتا تھا۔وہ لوگ ایسا اور کیسا والے یعنی اہل الرائے مشہور ہو گئے تھے۔

حنفی مذہب کے مآخذ:

صدر اول کے فقہا مسائل کے حل کے لئے مندرجہ ذیل مآخذ پر انحصار کرتے تھے:

قرآن عظیم:

یہ علماء قرآن عظیم کو اولیں اور غیر متنازعہ مأخذ سمجھتے تھے درحقیقت وہ قرآن عظیم کو دیگر مآخذ کی صحت کی میزان قرار دیتے تھے لہٰذا اگر کوئی مآخذ کسی طرح قرآن عظیم کے فرمان سے متصادم ہوتا تو اسے وہ غلط سمجھتے تھے۔

سنت:

سنت کو اسلام کا دوسرا سب سے اہم مآخذ سمجھا جاتا تھا لیکن اسے بروئے عمل لانے کے لئے کچھ شرائط بھی تھیں۔ان کا موقف یہ تھا کہ کسی حدیث کا صحیح ہونا ہی کافی نہیں اس کا مشہور ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسے کسی مسئلہ کے حل کے لئے بروئے کار لایا جائے۔ایسا وہ اس لئے کرتے تھے تاکہ موضوع احادیث سے محفوظ رہیں جن کا خصوصی طور پر ان علاقوں میں زیادہ چلن

Marfat.com

ہو گیا تھا جہاں صحابہ کم تعداد میں تھے۔ (جیسے عراق میں علی ابن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود)

۳- اجماع صحابہ:

اس سلسلے کی تیسری اہم کڑی اور اسلامی قوانین کا مأخذ کسی ایسے مسئلہ پر صحابہ کرام کا متفق الرائے ہونا جو قرآن وسنت میں وضاحت سے موجود نہیں ہے۔ اس اجماع کو ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی رائے پر ترجیح دی جاتی تھی۔ حنفی فقہ میں علماء اسلام کے اجماع کو ہر دور میں جائز اور مسلمانوں پر اس کی پیروی کو واجب سمجھا جاتا ہے۔

۴- صحابہ کی انفرادی رائے:

اگر کسی مسئلے پر صحابہ میں اختلاف رائے ہو اور اجماع کی کوئی شکل نہ ہو تو ابوحنیفہ کے نزدیک صرف وہی رائے قابل قبول تھی جو متعلقہ مسئلہ کے حل کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھی جاتی۔ اس اصول کو زیادہ اہمیت دینے کی خاطر ابوحنیفہ اپنی رائے پر ان صحابہ کی رائے کو واضح ترجیح دیتے تھے۔ (تاریخ فقہ الاسلامی، محمد یوسف موسیٰ) تاہم ان متعدد آراء میں کسی ایک کو اختیار کر کے وہ محدود پیمانے پر اس کے بارے میں اپنا نظریاتی موقف بھی پیش کرتے تھے۔

قیاس:

اگر کسی مسئلہ میں اوپر مذکورہ مآخذ میں سے کسی کی تائید حاصل نہیں ہوئی تھی تو ابوحنیفہ تابعین کی رائے کو قبول کرنے کا خود کو پابند نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو تابعین کے ہم رتبہ قرار دیتے تھے اور اس قیاس کی بنا پر جسے انہوں نے اور ان کے شاگردوں نے قائم کیا تھا خود اجتہاد کرنا پسند کرتے تھے۔

۶- استحسان: (ترجیح)

مختصر طور پر استحسان کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دلیل یا حجت پر دوسری کو ترجیح دینا کیونکہ یہ متعلقہ مسئلہ کے حل میں زیادہ معقول اور موزوں معلوم ہوتی ہے، اگرچہ تکنیکی اعتبار سے ترجیحی دلیل دوسری دلیل کے مقابلے میں کمزور ہی کیوں نہ نظر آئے، اس ترجیح میں وہ مخصوص حدیث بھی شامل کی جاسکتی ہے جو ایک عام حدیث کے مقابلہ میں اس مسئلہ پر زیادہ بہتر طریقہ پر اثر

Marfat.com

اندازہوتی ہے،اسے کسی قیاس کے مقابلہ میں زیادہ معقول قانونی ترجیح دی جاسکتی ہے۔

۷۔عرف (مقامی دستور)

جن میدانوں میں واضح اسلامی قوانین موجود نہیں تھے وہاں مقامی دستور کو قانونی جواز عطا کیا گیا۔یہ اگرچہ اس اصول کی بنیاد پر تھا کہ مختلف اقوام کی ثقافت اسلامی معاشرہ کا جزو بن گئی تھی اور اسلامی قانونی دائرہ میں بھی درآتی تھی اور اسے غلطی سے اسلامی اصولوں میں شمار کیا جانے لگا۔(المدخل:۱۷۵)

حنفی مسلک کے اہم تلامذہ:

امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں ظفر بن ہذیل، ابو یوسف اور محمد بن الحسن تھے۔

ظفرابن الہذیل (۷۷۴-۷۳۲ء)

ظفر بن الہذیل نے امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہوئے عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار کردیا اگرچہ اس کے لئے انہیں متعدد پرکشش وعدے بھی کئے گئے۔لیکن انہوں نے تدریس کو ہی ترجیح دی اور اپنی وفات یعنی ۴۲ سال کی کم عمر تک وہ اس سے وابستہ رہے۔

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (۷۹۵-۷۳۹)

ابو یوسف کوفہ کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔انہوں نے حدیث کا علم وسیع پیمانے پر حاصل کیا اور ایک نامور محدث تسلیم کئے جانے لگے، پھر انہوں نے امام ابن لیلی (متوفی ۷۶۵ء) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی جو مدینہ کے ممتاز صحابی کے فرزند تھے، پھر ابو یوسف نے ۹ سال تک ابوحنیفہ کی شاگردی کی۔ابوحنیفہ کی وفات کے بعد وہ مدینہ چلے گئے اور وہاں کچھ مدت امام مالک کے حضور میں رہے۔ابو یوسف المہدی (۷۸۵-۷۷۵ء) الہادی (۷۸۶-۷۸۵ء) اور ہارون الرشید (۸۰۹-۷۸۶ء) تینوں خلفاء عباسیہ کے عہد میں ریاست کے قاضی القضاۃ رہے، قاضی القضاۃ کی حیثیت سے وہ مختلف شہروں میں قضاۃ کا تقرر کرتے تھے لیکن ان کے مقرر کردہ تمام قاضی فقہ حنفی کے پابند ہوتے تھے۔اس طرح انہوں نے تمام حدود خلافت میں فقہ حنفی کے نفاذ میں اہم کردار ادا کیا۔(الانصاف فی بیان اسباب

Marfat.com

الاختلاف شاہ ولی اللہ الدہلوی۔(بیروت دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ص ۳۹)

محمد ابن الحسن الشیبانی (۸۰۵-۷۴۹ء)

امام محمد واسط میں پیدا ہوئے لیکن کوفہ میں پروان چڑھے۔امام ابو یوسف کی طرح انہوں نے بھی پہلے حدیث کا مطالعہ کیا۔انہوں نے کچھ عرصہ تک امام ابو حنیفہ کی شاگردی کی۔ان کی وفات کے بعد وہ امام ابو یوسف سے وابستہ ہو گئے پھر وہ مدینہ چلے گئے وہاں تین سال تک امام مالک سے علمی فیض حاصل کرتے رہے۔اس قیام کے دوران وہ امام مالک کی کتاب حدیث موطاء کے چند اہم راویوں میں شمار کئے جاتے تھے۔امام شافعی کا شمار بھی ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے بغداد میں امام محمد ابن الحسن کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں امام محمد ابن الحسن نے قاضی کا عہدہ بھی قبول کیا لیکن جلد ہی وہ اس ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے کیونکہ اس منصب پر کئی بار اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔اس منصب سے علیحدہ ہونے کے بعد انہوں نے پھر بغداد میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔

حنفی مذہب کے پیروکار:

حنفی مذہب کے ماننے والے زیادہ تر ہندوستان پاکستان، افغانستان، عراق، شام، ترکی، گیانا، تری نادار، سری نام اور کسی حد تک مصر میں پائے جاتے ہیں جہاں خلافت عثمانیہ کے حکام نے انیسویں صدی میں فقہ حنفی کو قانون کی شکل دے کر ریاست کا سرکاری مذہب بنایا۔اگر کوئی عالم عہدہ قضا حاصل کرنا چاہتا تھا تو اسے اس فقہ میں مہارت حاصل کرنا لازمی تھا۔اس طرح انیسویں صدی کے آخر تک خلافت عثمانیہ میں ہر جگہ حنفی مذہب کا چلن عام ہو گیا۔

اوزاعی مذہب (بانی امام اوزاعی (۷۷۴-۷۰۸ء)

یہ مذہب (فقہی مسلک) شامی عالم امام عبدالرحمٰن بن اوزاعی سے منسوب ہے جو ۷۰۸ء میں بعلبک میں پیدا ہوئے، وہ آٹھویں صدی عیسوی کے سب سے بڑے محدثین میں شمار کئے

Marfat.com

جاتے تھے۔ وہ ایسے مسائل میں جہاں قرآن و سنت کی واضح ہدایت موجود تھیں بکثرت قیاس کے مخالف تھے۔ امام اوزاعی نے اپنا زیادہ وقت بیروت میں گزارا اور ۷۷۴ء میں وہیں وفات پائی۔ اردن، فلسطین، لبنان، شام نیز اسپین میں ان کے مذہب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی۔

اس مذہب کے مفقود ہونے کے اسباب:

دسویں صدی عیسوی میں یہ مذہب شام میں سب سے اہم فقہی مسلک رہا۔ جب ابوزرح محمد بن عثمان کو جو فقہ شافعی کے عالم تھے دمشق کا قاضی مقرر کیا گیا۔ ابوزرح نے ہر اس طالب علم کو جو فقہ شافعی کی کتاب مختصر المدینی حفظ کر لے اسے ایک سو دینار انعام دینے کا اعلان کیا۔ ظاہر ہے اس طرح پورے شام میں فقہ شافعی تیزی سے رائج ہوا اور فقہ اوزاعی کے مقلد اسی تیزی سے کم ہوتے گئے یہاں تک کہ گیارہویں صدی عیسوی میں اس فقہ کا کوئی پیروکار باقی نہیں رہا۔ (المدخل ص ۲۰۶-۲۰۵ نیز دیکھئے فقہ الامام اوزاعی از محمد الجابوری-عراق)

مذہب مالکی-بانی امام مالک (۷۱۷-۸۰۱ء)

اس فقہی مکتب فکر کے بانی امام مالک بن انس بن عامر ۷۱۷ء میں مدینہ میں پیدا ہوئے، ان کے دادا عامر مدینہ کے ممتاز صحابی تھے۔ مالک نے امام زہری سے حدیث کی تعلیم حاصل کی جو اپنے وقت کے عظیم محدث تھے۔ نیز حدیث کے اہم ترین راوی نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر سے بھی استفادہ کیا۔ مالک نے صرف حج کے لئے مدینہ سے باہر کا سفر کیا ورنہ وہ سدا مدینہ میں رہ کر ہی علم حاصل کرتے رہے۔ ۷۶۴ء میں انہیں امیر مدینہ کے حکم سے شدید ایذا پہنچائی گئی اور زدوکوب کیا گیا کیونکہ انہوں نے فتوی دیا تھا کہ جبری طلاق نافذ نہیں ہوتی اور باطل ہے۔ اس فتوی سے عباسی خلفاء کی اس شرط کی تکذیب ہوتی تھی جو انہوں نے حلف بیعت میں شامل کر دی تھی کہ اگر کسی شخص نے خلیفہ سے کی ہوئی بیعت کو توڑا تو اس کی بیوی کو خود بخود طلاق ہو جائے گی۔ امام مالک کو باندھ کر اتنی شدت سے مارا پیٹا گیا کہ ان کے دونوں ہاتھ مفلوج ہو گئے اور وہ نماز میں ہاتھ اٹھا کر نیت بھی نہیں باندھ سکتے تھے۔ لہٰذا بعض روایات کے مطابق وہ اس معذوری کے سبب ہاتھ چھوڑ کر (بغیر نیت باندھے) نماز ادا کرتے تھے۔

Marfat.com

امام مالک چالیس سال تک مدینہ میں حدیث کا درس دیتے رہے اور انہوں نے احادیث، آثار صحابہ اور تابعین پر مشتمل ایک کتاب موطاء (پامال رہ گزر) کے نام سے مرتب کی۔ انہوں نے اس کی تالیف عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (۷۷۵-۷۵۴ء) کی درخواست پر کی جو احادیث کا ایک ایسا مبسوط مجموعہ چاہتا تھا جسے قانون کی شکل دیکر حدود خلافت میں نافذ کر سکے لیکن اس کی تدوین کے بعد امام مالک نے اسے حدود خلافت میں نافذ العمل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان کا کہنا تھا کہ بعض صحابہ کرام متعدد شہروں اور ملکوں میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور ان کے پاس بھی احادیث تھیں۔ (جو ممکن ہے اس مجموعہ احادیث میں شامل نہ ہو سکی ہوں) لہٰذا پوری حدود خلافت میں نفاذ کے لئے ان احادیث کو بھی سامنے لانا ہوگا۔ خلیفہ ہارون الرشید (۸۰۹-۷۶۸ء) نے بھی امام مالک سے یہی درخواست کی لیکن امام نے اسے بھی مسترد کر دیا۔ امام مالک نے ۸۰۱ء میں ۸۳ سال کی عمر پا کر مدینہ میں وفات پائی۔

فقہ مالکی کی تشکیل:

امام مالک کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ وہ حدیث کی قرأت کرتے اور پھر عصری مسائل کے تناظر میں اس کے معانی و مطالب پر بحث کرتے تھے، وہ اپنے شاگردوں کے سامنے احادیث اور آثار (صحابہ کی روایت) بیان کرتے جو امور شریعت کے مختلف موضوعات پر ہوتی تھیں اور پھر ان کے معانی و مفہوم پر بحث کرتے تھے یا پھر ان طلبہ سے جو مختلف خطوں سے آتے تھے ان کے مسائل دریافت کرتے پھر ایسی حدیثیں اور آثار روایت کرتے جو ان مسائل کے حل میں معاون ہو سکتی ہوں۔ موطأ کی تدوین کے بعد وہ اسے اپنے شاگردوں کو سنایا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے فقہ کا خلاصہ تھا۔ لیکن اگر کوئی نئی بات معلوم ہو جاتی تو اسی کے مطابق کتاب میں حذف و اضافہ بھی کر لیتے تھے۔ وہ قیاسی اور مفروضاتی فقہ سے ہمیشہ دامن کشاں رہتے تھے اسی لئے ان کے فقہ اور پیروکاروں کو اصحاب الحدیث (اہل الحدیث) کہا جاتا ہے۔

فقہ مالکی کے مآخذ:

امام مالک مندرجہ ذیل مآخذ سے اپنا فقہ مرتب کرتے تھے:

Marfat.com

۱-قرآن عظیم:

دیگر ائمہ کی طرح امام مالک بھی قرآن عظیم کو شریعت اسلامی کا اولیں مأخذ سمجھتے تھے اور اس کے اطلاق وانطباق میں کوئی پیشگی شرط لگانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

۲-سنت:

سنت نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم کو وہ قوانین شریعت کا دوسرا اہم ترین مأخذ سمجھتے تھے لیکن امام ابوحنیفہ کی طرح وہ بھی اس کے اطلاق کی بابت چند شرائط پر اصرار کرتے تھے مگر امام ابوحنیفہ کی طرح وہ یہ اصرار نہیں کرتے تھے کہ جس حدیث کا اطلاق کیا جائے وہ مشہور ہونی چاہئے بلکہ ان کے سامنے جو بھی حدیث روایت کی جاتی وہ اسے قبول کر لیتے بشرطیکہ اس کے اصل راویوں میں کوئی کاذب یا انتہائی ضعیف حافظہ والا نہ ہو۔

۳-عمل (اہل مدینہ کا دستور)

امام مالک کا موقف یہ تھا کہ کیونکہ بیشتر اہل مدینہ صحابہ کی اولاد ہیں اور مدینہ اور مدینہ وہ مقام ہے جہاں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دس سال گزارے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے اکثر رسوم ورواج کو خواہ ان کی حوصلہ افزائی خود نہ کی ہو، تاہم انہیں برقرار رہنے دیا ہوگا۔ چنانچہ وہ اہل مدینہ کے عمومی رسوم ورواج کو سنت کا ہی ایک حصہ قرار دیتے تھے جس کا ظہور الفاظ میں نہیں بلکہ عمل سے ہوا۔

(تاریخ المذاہب الاسلامیہ از محمد ابوزہرہ، قاہرہ)

۴-اجماع صحابہ:

امام ابوحنیفہ کی طرح امام مالک بھی صحابہ اور علماء متقدمین کے اجماع کو فقہ کا تیسرا اہم ترین مأخذ سمجھتے تھے۔

۵-صحابہ کی انفرادی رائے:

امام مالک صحابہ کرام کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے خواہ وہ ایک دوسرے سے متفق ہوں یا مختلف۔ اور وہ انہیں اپنی کتاب الموطاء میں نقل کرتے تھے، تاہم وہ صحابہ کی

Marfat.com

انفرادی رائے پر ان کے اجماع کو ترجیح دیتے تھے، جہاں اجماع نہیں ہوتا تھا وہاں وہ صحابہ کی رائے کو اپنی ذاتی رائے پر فوقیت دیتے تھے۔

۶- قیاس:

جن مسائل کا اوپر مذکور مأخذ سے حل نہیں ملتا تھا ان ہی میں امام مالک اپنی فکر کو بروئے کار لاتے تھے۔ لیکن وہ اس میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے کیونکہ یہ طریقہ بہر طور مخدوش ہوتا ہے۔

۷- اہل مدینہ کے دستور:

امام مالک اہل مدینہ کے ان چند رسوم ورواج کو بھی اہمیت دیتے تھے بشرطیکہ وہ معروف احادیث سے متصادم نہ ہوں۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ یہ رسوم ورواج جو عمومی طور پر رائج نہیں تھے وہ پچھلی نسلوں سے ہی صحابہ تک پہنچے ہوں گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں قبول کیا ہوگا بلکہ ممکن ہے ان پر عمل بھی کیا ہو۔

۸- استصلاح (بہبودی)

ابوحنیفہ کے پیش کردہ اصول استحسان کو امام مالک اور ان کے شاگردوں نے بھی اختیار کیا فرق صرف یہ تھا کہ انہوں نے اسے استصلاح کا نام دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جوشئ زیادہ موزوں ہو اسے اختیار کیا جائے۔ یہ ان امور سے متعلق ہے جو انسانی بہبود سے تعلق رکھتی ہیں لیکن شریعت میں ان پر مخصوص طور پر غور نہیں کیا گیا۔ اس کی ایک مثال حضرت علی کا یہ حکم ہے کہ اگر ایک پوری جماعت قتل کی مرتکب ہو تو اس جماعت کے تمام افراد قاتل شمار کئے جائیں گے حالانکہ اس میں سے صرف چند اشخاص نے ہی قتل کا جرم کیا ہو۔ حالانکہ شرعی عبارت کے تحت صرف اصل قاتل کو ہی ماخوذ کیا جائے گا۔ اس کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ اگر مملکت کے مفادات کا تقاضا ہو تو مسلم حکمراں ذمیوں کے علاوہ دیگر اہل ثروت سے بھی ٹیکس وصول کر سکتا ہے حالانکہ شریعت میں صرف ذمیوں سے ہی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ امام مالک عصری مسائل کے حل کے لئے قیاس کے مقابلہ استصلاح کے اصول پر زیادہ عمل کرتے تھے۔

Marfat.com

۹-عرف (رسوم ودستور)

امام ابوحنیفہ کی طرح امام مالک بھی عالم اسلام میں رائج رسوم اور دستور کو قانون کا ایک ثانوی ماٗخذ تسلیم کرتے تھے بشرطیکہ یہ شریعت سے متصادم نہ ہوں (المدخل ۱۸۷) مثال کے طور پر شام میں دابہ سے گھوڑا مراد لیا جاتا ہے جبکہ عربی میں اس کا عمومی مفہوم چوپایہ ہے۔ لہٰذا اس دستور کے مطابق شام میں کیا گیا کوئی سودا جس کے تحت کرایہ (رقم) کی ادائیگی دابہ کی صورت میں مطلوب ہو اس سے گھوڑا مراد لیا جائے گا جبکہ دیگر مقامات پر عرب میں اس کا مفہوم صرف گھوڑا ہوگا۔

مالکی فقہ کے اہم علماء:

فقہ مالکی کے وہ اہم علماء جنہوں نے اپنا الگ فقہی مسلک قائم نہیں کیا القاسم اور ابن وہب تھے۔

ابوعبدالرحمٰن ابن القاسم (۸۱۳-۷۴۵ء)

القاسم مصر میں پیدا ہوئے لیکن وہ مدینہ چلے آئے اور اپنے استاد کے پاس بیس سال سے زیادہ تک رہے، انہوں نے المدونہ کے نام سے فقہ پر ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھی جو موطأ سے بھی بڑھ کر ہے۔

ابوعبداللہ بن وہب (۸۱۹-۷۴۲ء)

ابن وہب بھی مصر سے سفر کر کے مدینہ آئے تا کہ امام مالک کے حضور زانوئے ادب تہہ کریں۔ ابن وہب اجتہاد میں ایسا ملکہ رکھتے تھے کہ امام مالک نے انہیں مفتی کا لقب عطا کیا۔ ابن وہب کو مصر میں عہدہ قضا پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تا کہ ایک غیر جانبدار عالم کی حیثیت سے ان کی شناخت برقرار رہے۔

دیگر فقہی مسالک میں بھی امام مالک کے متعدد مشہور تلامذہ تھے ان میں سے بعض نے امام مالک سے جو علم حاصل کیا تھا اس کی بنیاد پر اپنا فقہی مسلک قائم کیا، مثلاً محمد الشیبانی جو امام ابوحنیفہ کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔ کچھ ایسے شاگرد بھی تھے جنہوں نے امام مالک کے فقہ اور دیگر

Marfat.com

ائمہ کے فقہ کے امتزاج سے اپنا فقہی مسلک قائم کیا، مثلاً محمد بن ادریس الشافعی جنہوں نے برسوں امام مالک اور پھر امام ابوحنیفہ کے شاگرد الشیبانی سے علم حاصل کیا تھا۔

مالکی مذہب کے پیروکار:

آج کل مالکی مذہب کے ماننے والے بالائی مصر، سوڈان، شمالی افریقہ (تیونس، الجزائر اور مراکش) مغربی افریقہ (مالی، نائجریا، شاد وغیرہ) اور خلیج عرب کے ممالک (کویت، قطر اور بحرین) میں پائے جاتے ہیں۔

زیدی مذہب: بانی امام زید (۷۴۰-۷۰۰ء)

اس مذہب کی ابتداء حضرت علی ابن ابی طالب کے پرپوتے الحسین کی معرفت مانی جاتی ہے جو امام حسین کی اولاد میں سے تھے۔ امام زید کے والد علی زین العابدین اپنی وسیع شرعی معلومات اور روایت حدیث کے لئے معروف تھے۔ زید بن علی ۷۰۰ء میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور جلد ہی علوی خاندان کے اہم اور ممتاز علماء میں ان کا شمار ہونے لگا، وہ اپنے تمام رشتہ داروں بشمول اپنے بڑے بھائی محمد الباقر سے احادیث کی روایت کرتے تھے۔ (امام محمد الباقر شیعوں کے اثنا عشری ائمہ میں پانچویں امام تھے) امام زید نے عراق، کوفہ، بصرہ اور واسط کے علمی سفر کئے اور وہاں اپنے ہم عصروں امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری سے تبادلہ خیالات کیا۔

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (مدت خلافت ۷۲۴-۷۴۳) علوی خاندان کے افراد کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ زید بن علی کو بار بار اس کا شکار ہونا پڑا۔ انہیں مدینہ کے گورنر کی اجازت کے بغیر شہر (مدینہ) چھوڑنے کی اجازت نہیں تھی اور مدینہ سے باہر جانے کے لئے ان کی درخواست اکثر مسترد کردی جاتی تھی۔ پھر حادثہ کربلا کے بعد امام زید وہ پہلے علوی تھے جنہوں نے بنوامیہ سے خلافت چھیننے کی کوشش کی۔ انہوں نے خفیہ طور پر عراق کا سفر کیا جہاں عراق، واسط اور دیگر مقامات کے شیعہ ان کے ساتھ ہو گئے اور جنگ کی تیاریاں کی جانے لگیں، ان کے کئی رشتہ داروں نے انہیں تنبیہ کیا کہ وہ کوفیوں پر اعتبار نہ کریں کیونکہ ان کی دغا کے سبب ہی امام حسین کربلا میں شہید ہوئے تھے لیکن انہوں نے کسی کی بات پر کان نہیں

Marfat.com

دھرا۔ ابھی امویوں سے جنگ کی تیاری مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے نئے معتقدین کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ امام زید ابوبکر اور عمر کو جنہوں نے ان کے دادا سے خلافت غصب کر لی تھی مرتد نہیں مانتے۔ اس بات پر ان کے اکثر معتقدین ان سے برگشتہ ہو گئے اور ان کے بھتیجے جعفر الصادق کو امام زید کی جگہ امام عصر تسلیم کر لیا۔ خلیفہ ہشام کی فوج نے اس اختلاف کا فائدہ اٹھا کر اچانک کوفہ پر حملہ کر دیا۔ صرف چار سو سے کچھ زیادہ افراد ہی امام زید کے ساتھ رہے اور وہ جنگ کے دوران شہید ہو گئے۔ (تاریخ مذاہب اسلامیہ جلد۲ ص ۷۴۹)

زیدی مذہب کی تشکیل:

امام زید ایک ممتاز عالم تھے، روایت حدیث اور تلاوت قرآن ان کا خاص مشغلہ تھا، انہوں نے مدینہ، کوفہ، بصرہ اور واسط میں درس دیا اور اس طرح ان کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی۔ امام زید کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ وہ احادیث کی روایت کرتے تھے اور قرآن کی تلاوت سکھاتے تھے۔ اگر کوئی قانونی مسئلہ اٹھایا جاتا تو یا تو وہ خود اس کا حل پیش کرتے یا پھر اپنے کسی معاصر امام مثلاً عبدالرحمٰن ابی لیلیٰ کا موقف اختیار کرتے تھے۔ ان کے مذہب کے فتاوی کو نہ تو خود امام زید املا کراتے نہ خود لکھتے بلکہ خود ان کے شاگرد انہیں لکھا کرتے تھے۔

زیدی کے مسلک کے مآخذ:

اس مذہب کے علماء نے امام زید کے فتووں سے مندرجہ ذیل مآخذ کا استنباط کیا جن کی بنیاد پر وہ شرعی مسائل حل کرتے تھے:

۱۔قرآن:

قرآن عظیم کو شریعت اسلامی کا اولین مآخذ سمجھا جاتا تھا، ان کے نزدیک قرآن عظیم کا موجودہ نسخہ مکمل ہے اس میں کوئی حذف و اضافہ نہیں ہے، ان کا یہ موقف بعض انتہا پسند شیعوں کے عقیدہ کے خلاف تھا جو قرآن عظیم کے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں۔

۲۔سنت:

قرآن عظیم کے بعد سنت اسلامی شریعت کا دوسرا اہم اور بنیادی مآخذ ہے۔ احادیث کے

Marfat.com

راویوں میں فقط علوی خاندان کے راوی اور ان کے پیروشامل نہیں بلکہ دیگر معتبر راوی بھی اس میں شامل ہیں۔

ملفوظات (اقوال علی)

حضرت علی ابن طالب کے احکامات وملفوظات جو ان کی ذاتی رائے کے مظہر نہیں ہیں انہیں امام زید شریعت کا حصہ سمجھتے تھے یعنی اگر حضرت علی یہ نہ کہیں کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے یا ان کی بات سے اس قسم کا تاثر واضح ہوتا ہوتو امام زید کے نزدیک یہ سمجھا جائے گا کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے لیکن امام زید ہر اس قول کو جو حضرت علی سے منسوب کیا جائے تسلیم نہیں کرتے تھے اور بعض اوقات اس قول کے برخلاف فتوی دیدیتے تھے۔ مثلاً حضرت علی کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ یتیم سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے لیکن امام زید اس سے انکار کرتے تھے۔

۴-صحابہ کا اجماع:

امام زید صحابہ کے اجماع کو شرعی مآخذ تسلیم کرتے تھے۔ لہٰذا اگر چہ وہ اپنے جدامجد (علی ابن ابی طالب) کو حضرات ابوبکر عمر اور عثمان کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ بہتر حقدار سمجھتے تھے لیکن صحابہ کے متفقہ طور پر ان تینوں کی خلافت کو تسلیم کئے جانے سے امام زید کی رائے میں یہ شرعی طور پر واجب التسلیم ہوگئی۔

قیاس:

اس مذہب کے علماء کے نزدیک استحسان اور استصلاح دونوں اصول یکساں اجتہادی نوعیت کے ہیں لہٰذا وہ انہیں دیگر فقہی مذاہب میں قیاس کا ہی ایک حصہ سمجھتے تھے۔

عقل:

ایسے امور میں جہاں کوئی سابقہ نظیر قابل اطلاق نہیں وہاں عقل انسانی کو اسلامی قوانین کا ایک مآخذ سمجھا جاتا تھا۔ اپنے عہد شباب میں امام زید بن علی نے واصل بن عطا سے ملاقات کی

Marfat.com

اوران سے علم حاصل کیا، یہ شخص معتزلی مکتب فکر کا بانی تھا۔ معتزلی وہ سب سے پہلا فرقہ تھا جس نے عقل کے اصول کو پیش کیا یعنی جو کچھ عقل کی رو سے اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک قرآن وسنت کے بعد عقل کا ہی مرتبہ ہے لہٰذا اسی بنیاد پر انہوں نے قیاس اور اجماع صحابہ کو مسترد کردیا۔ (تاریخ المذاہب الاسلامی ج ۲ ص ۵۱۶) جبکہ امام زید عقل کو سب سے آخر میں رکھتے تھے اور قیاس کو تسلیم کرتے تھے۔

زیدی مذہب کے اہم علماء:

اس مذہب کی تدوین امام زید کے تلامذہ نے کی۔ لیکن اس میں انہوں نے علوی خاندان کے دیگر علماء کے اقوال وآراء بھی شامل کیے، ان میں امام زید کے دیگر ہم عصر علماء کے اقوال بھی ہیں۔

ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی (م ۸۸۹)

عمر بن خالد امام زید کا ممتاز ترین شاگرد تھا۔ وہ طویل عرصہ تک مدینہ میں ان کے ساتھ رہا اوران کے اکثر سفر میں بھی وہ ان کا شریک سفر رہا۔ عمرو بن خالد نے امام زید کی تعلیمات کو دو جلدوں میں مدون کیا ان کے نام مجموعہ الحدیث اور مجموعہ الفقہ ہیں دونوں کو مجموعۃ الکبیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ مجموعہ حدیث میں شامل تمام احادیث علوی خاندان کے راویوں سے روایت کی گئی ہیں تاہم یہ حدیثیں صحاح ستہ کے راویوں سے بھی منقول ہیں۔

الہادی الی الحق۔ یحیٰ ابن الحسین (۹۱۱-۸۶۰ء)

زیدی علماء نے خود کو صرف خاندان علوی کی حسینی شاخ ہی کے فتووں تک محدود نہیں رکھا لہٰذا القاسم بن ابراہیم الحسینی (۸۵۷-۸۸۷ء) جو ایک ممتاز عالم کی حیثیت سے مشہور ہوا اس کی رائے کو بھی زیدی فقہ کے فتووں میں شامل کرلیا گیا۔ لیکن القاسم کے پوتے الہادی الی الحق کے اثرات زیدی مذہب پر اور بھی گہرے ہیں جسے یمن کا امام بنایا گیا۔ یمن میں زیدی مذہب کی بنیاد پر ایک اسلامی ریاست وجود میں آئی جس نے اسے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی اور آج بھی یہ برقرار ہے۔

Marfat.com

الحسن ابن علی الحسینی (۹۱۷-۸۴۵ء)

الحسن جو الناصر الکبیر کے نام سے معروف ہیں الہادی کے ہم عصر تھے۔ وہ دیلم اور جیلان میں زیدی فقہ کی تعلیم دیتے تھے، وہ ایک ممتاز عالم تھے، ان کے جانشین انہیں اس مذہب کا مجدد تسلیم کرتے ہیں۔ (تاریخ المذاہب اسلامی ج ۲-ص ۵۲۵)

زیدی مذہب کے ماننے والے:

آج کل زیدی مذہب کے ماننے والے بیشتر یمن میں پائے جاتے ہیں جہاں ان کی اکثریت ہے۔

لیثی مذہب-بانی امام اللیث: (۷۹۱-۷۱۶ء)

یہ فقہی مذہب اللیث بن سعد سے منسوب ہے جو فارسی النسل تھے اور مصر میں ۷۱۶ء میں پیدا ہوئے، انہوں نے جملہ علوم اسلامی کا مطالعہ کیا اور مصر کے ممتاز علماء میں ان کا شمار ہونے لگا، وہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ہمعصر تھے۔ انہوں نے مراسلت کے ذریعہ امام مالک سے متفرق اسلامی مسائل پر مباحثہ بھی کیا، اس میں امام مالک کا یہ موقف بھی تھا کہ وہ اہل مدینہ کے رسوم و رواج کو بھی فقہ اسلامی کے اہم مآخذ میں شمار کرتے تھے۔

س مذہب کے نابود ہو جانے کے اسباب:

۷۹۱ء میں امام اللیث کی وفات کے بعد ان کا مذہب بھی ختم ہو گیا۔ اس کے فنا ہونے کے اسباب مندرجہ ذیل تھے:

۱-انہوں نے قرآن و سنت اور آثار وصحابہ کے بارے میں اپنے افکار ونظریات اور دلائل و براہین کو نہ تو خود مرتب کیا نہ اپنے شاگردوں کو املا کرایا اور نہ انہیں اس کی تدوین کی ترغیب دی۔ اس طرح ان کے فقہی مذہب کے حوالے تقابلی فقہ کی ابتدائی کتابوں میں بہت قلیل تعداد میں ملتے ہیں۔

۲-اللیث کے شاگردوں کی تعداد مختصر تھی اور ان میں بھی کوئی ممتاز فقیہ نہیں ہوا جو اس فقہی مذہب کو مقبول بنا سکتا۔

Marfat.com

۳-اللیث کی وفات کے بعد امام شافعی جو کہ عظیم المرتبت فقیہ تھے مصر میں مقیم ہو گئے اور وہاں ان کے فقہ کو تیزی سے مقبولیت حاصل ہوئی اور اللیث کا فقہ معدوم ہو گیا۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ امام شافعی جو امام مالک اور اللیث کے تلامذہ کے شاگرد تھے ان کا قول تھا کہ اللیث امام مالک سے بھی بڑے فقیہ تھے لیکن ان کے شاگردوں نے انہیں نظر انداز کر دیا۔
(المدخل ص ۲۰۵)

ثوری مذہب-بانی امام سفیان ثوری (۷۱۹ء،۷۷۷ء)

امام سفیان الثوری ۷۱۹ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علوم اسلامی احادیث اور فقہ کا وسیع مطالعہ کیا اور کوفہ کے ان ممتاز فقہا میں شمار کئے جانے لگے جو علماء حدیث پر مشتمل تھا۔ وہ اپنے ہم عصر امام ابوحنیفہ کے بہت سی باتوں میں ہم خیال تھے تاہم ابوحنیفہ کے قیاس اور استحسان کے طریق عمل کے مخالف تھے۔

امام سفیان ثوری اور خلافت عباسیہ کے عمال کے درمیان اکثر صف آرائی کی نوبت آ جاتی تھی کیونکہ وہ اظہار رائے میں بیباک تھے اور عباسیوں کی ان پالیسیوں کی مخالفت کرتے تھے جو خلاف شرع تھیں۔ عباسی خلیفہ منصور نے امام ثوری کو ایک مکتوب لکھ کر ان سے درخواست کی کہ وہ کوفہ کے قاضی کا منصب قبول کر لیں لیکن کوئی ایسا فیصلہ یا حکم صادر نہ کریں جو حکومت کی پالیسی کے خلاف ہو۔ امام نے خط پڑھ کر اسے چاک کر ڈالا اور ٹکڑے دریائے دجلہ میں پھینک دیئے۔ لیکن اس کے بعد انہیں اپنے درس کا سلسلہ موقوف کرنا پڑا اور اپنی جان بچانے کے لئے شہر سے فرار ہو گئے۔ اپنی وفات ۷۷۷ء تک وہ خفیہ طور پر ہی ادھر ادھر قیام کرتے رہے۔

امام ثوری کے فقہی مذہب کے معدوم ہونے کے اسباب:

امام ثوری نے عمر کا بیشتر حصہ (عباسی خلیفہ کے عتاب سے بچنے کے لئے) خفیہ طور پر گزارا اس طرح انہیں ایسے شاگرد نہیں مل سکے جو ان کے بعد ان کے فقہی افکار و نظریات کو علمی اور دینی حلقوں میں معروف و مقبول بنا سکتے۔

۲-اگرچہ انہوں نے احادیث اور ان کی شرح پر خاصا وسیع کام کیا تھا لیکن اپنی وصیت

Marfat.com

میں انہوں نے اپنے ممتاز شاگرد عمار بن سیف کو تاکید کی کہ وہ ان کی تحریروں کو مٹادیں اور جو نہ مٹائی جا سکیں انہیں جلادیں، عمار نے اطاعت کیشی سے اپنے استاد کی وصیت پر عمل کیا اور امام کا علمی سرمایہ برباد کر دیا لیکن ان کے بہت سے افکار و اقوال دیگر ائمہ کے تلامذہ نے نقل کر لئے تھے اور وہ آج بھی باقی ہیں مگر منتشر صورت میں ہیں مدون نہیں ہیں۔ (المدخل ص ۷-۲۰۶)

شافعی مذہب-بانی امام شافعی (۸۲۰-۷۶۹ء)

امام کا پورا نام محمد بن ادریس الشافعی تھا۔ وہ شام (فلسطین) کے مشہور ساحلی شہر غزہ میں ۷۶۹ء میں پیدا ہوئے لیکن اپنے عہد شباب میں انہوں نے مدینہ کا سفر کیا اور امام مالک سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے امام مالک کی کتاب الموطاء کو حفظ کیا اور وہ اسے امام کو زبانی اور پوری صحت کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ امام شافعی امام مالک کی وفات ۸۰۱ء تک ان کے پاس رہے اس کے بعد وہ یمن چلے گئے اور تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۸۰۵ء میں ان پر شیعیت کا رجحان رکھنے کا الزام عائد کیا گیا اور گرفتار کر کے عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے پیش کیا گیا۔ (مدت خلافت ۸۰۹-۷۸۶ء) خوش قسمتی سے امام شافعی نے اپنے موقف کی صداقت ثابت کر دی اور انہیں رہا کر دیا گیا۔ اپنے قیام عراق کے دوران امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کے ممتاز شاگرد محمد بن الحسن سے کچھ عرصہ استفادہ کیا۔ بعد کو انہوں نے مصر کا سفر کیا تاکہ امام اللیث کے حلقہ درس میں شریک ہوں لیکن جب وہ مصر پہنچے تو امام اللیث کی وفات ہو چکی تھی۔ تاہم انہوں نے امام اللیث کے شاگردوں سے امام کے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اپنی وفات ۸۳۰ء تک امام شافعی مصر میں ہی مقیم رہے۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید (مدت خلافت ۸۳۲-۸۱۳ء) کے عہد میں انہوں نے وفات پائی۔

شافعی مذہب کی تشکیل:

امام شافعی نے فقہ حجازی اور فقہ عراقی کے امتزاج سے ایک نیا فقہ مرتب کیا اور اسے اپنے تلامذہ کو املا کرایا جو الحجہ کی شکل میں مدون ہوا۔ امام نے یہ کتاب (الحجہ) عراق میں ۸۱۰ء میں املا کرائی۔ ان کے تلامذہ نے اسے حفظ کر لیا اور دوسروں تک پہنچایا۔ یہ کتاب اور اس کی تدوین

Marfat.com

کے عرصہ کو المذہب القدیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس طرح اس عرصہ کو اس دور سے ممتاز کرتے ہیں جو امام شافعی کے مصر کو ہجرت کرنے کے بعد شروع ہوا۔ مصر میں انہوں نے امام الیث کے فقہ کا مطالعہ کیا اور اپنے تلامذہ کو ایک کتاب الام کے نام سے املا کرائی اور مذہب الجدیدہ کی تدوین ہوئی۔ المذہب الجدیدہ احادیث اور فقہ کی یکسر نئی تعبیر و توضیح سے انہوں نے اپنے ان متعدد فقہی فیصلوں اور افکار کو تبدیل کر دیا جن پر وہ عراق میں قائم تھے۔امام شافعی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے فقہ کے بنیادی اصولوں کی تدوین و ترتیب کی اور اس موضوع پر اپنی کتاب الرسالہ مرتب کی۔

شافعی مذہب (فقہ) کے مآخذ:

علماء متقدمین کی طرح امام شافعی بھی قرآن عظیم کو شریعت اسلامیہ کی اصل بنیاد قرار دیتے تھے اور اپنے افکار و اجتہاد کے لئے کتاب الہٰی پر انحصار کرتے تھے، اسی کے ساتھ اس کے مطالعہ سے انہوں نے نئی علمی و فکری بصیرت حاصل کی۔

۲-سنت:

احادیث کے قبول کرنے میں امام شافعی کی ایک ہی شرط تھی کہ وہ صحیح اور مستند ہوں اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جو شرائط رکھی تھیں امام شافعی نے انہیں مسترد کر دیا۔ حدیث کے تنقیدی مطالعہ (جرح و تعدیل) کے لئے بھی امام شافعی معروف تھے۔

۳-اجماع:

اگرچہ متعدد مسائل میں امام شافعی اجماع کے بارے میں شدید شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے تاہم وہ اس موقف سے متفق تھے کہ جن مسائل میں معروف اجماع عمل میں آیا ہے اسے فقہ کا تیسرا بنیادی مأخذ تسلیم کرنا چاہئے۔

۴-صحابہ کی انفرادی رائے:

امام شافعی صحابہ کی انفرادی رائے کو بھی اہمیت دیتے تھے بشرطیکہ وہ ایک دوسرے سے متصادم نہ ہوں، اگر کسی مسئلہ پر صحابہ کی رائے مختلف ہوتی تو امام ابوحنیفہ کی طرح وہ بھی اس

Marfat.com

رائے کو قبول کرتے تھے جو قرآن وحدیث سے قریب تر ہوتی اور دیگر کو مسترد کر دیتے تھے۔

۵- قیاس:

امام شافعی قیاس کو سابقہ ذرائع کی بنیاد پر مسائل کا حل تلاش کرنے کا جائز ذریعہ تصور کرتے تھے لیکن اہمیت کے اعتبار سے وہ اسے سب سے آخری درجہ دیتے تھے اور صحابہ کی رائے کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے کو کم تر سمجھتے تھے کیونکہ صحابہ کی آراء مستحکم دلائل پر مبنی ہوتی تھیں۔

۶- استصحاب:

امام شافعی نے استحسان (امام ابوحنیفہ نے اسے استعمال کیا) اور استصلاح (امام مالک کا فقہی عمل) دونوں کو بدعت قرار دے کر مسترد کر دیا کیونکہ یہ دونوں طریقہ کار ان مسائل میں جہاں شرعی قوانین موجود تھے۔ انسانی استدلال پر مبنی تھے۔ تاہم اس قسم کے مسائل کے حل کے لئے امام شافعی کو بھی استحسان اور استصلاح جیسا ہی ایک طریقہ وضع کرنا پڑا جسے انہوں نے استصحاب کا نام دیا جس کے لغوی معنی ربط قائم کرنا ہیں۔ اس طرح وہ سابقہ مسائل کے حل کو سامنے رکھ کر (رابطہ بنا کر) نئے مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ یہ طریقہ اس خیال پر مبنی ہے کہ جب تک یہ یقین نہ ہو کہ بعض احوال و شرائط میں تبدیلی آئی ہے تو بعض شرائط پر فقہی قوانین کا اطلاق جائز ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر طویل غیر حاضری کے سبب کسی شخص کے بارے میں وثوق سے یہ نہ کہا جا سکے کہ آیا وہ زندہ ہے یا وفات پا گیا تو استصحاب کے ذریعہ وہ تمام قوانین و شرائط بجنسہ برقرار رہیں گے جو اس صورت حال میں نافذ العمل ہوتے جب یقینی طور پر معلوم ہوتا کہ مذکورہ شخص زندہ ہے۔

شافعی مذہب کے ممتاز علماء:

امام شافعی کے ممتاز تلامذہ جنہوں نے ان کے بعد ان کے فقہی مکتب فکر کو زندہ رکھا ان میں المزنی، الربیع اور یوسف بن یحیٰ ہیں۔

المزنی (۷۷۸-۸۷۶ء)

المزنی کا پورا نام اسمٰعیل ابن یحیٰ المزنی تھا۔ امام شافعی کے قیام مصر کے دوران وہ متواتر

Marfat.com

ان کے ساتھ رہتے تھے۔ المزنی نے ایک جامع کتاب تالیف کی جس میں امام شافعی کے فقہی مسائل کو جمع کر دیا، بعد کو اسے مختصر کر کے اس کا نام مختصر المزنی رکھا، یہ کتاب شافعی مسلک کی سب سے اہم کتاب بن گئی۔

۲۔ الربیع المرادی (۸۷۳-۷۹۰ء)

الربیع امام شافعی کی کتاب الام کے سب سے اہم شارح کے طور پر معروف ہیں، انہوں نے اپنا یہ کام امام شافعی کی زندگی میں ہی پورا کر لیا تھا، اسی کے ساتھ انہوں نے الرسالہ اور دیگر کتب پر بھی کام کیا۔

یوسف بن یحیٰ البویطی:

امام شافعی کے بعد یوسف بن یحیٰ فقہ شافعی کے معلم کے طور پر ان کے جانشین ہوئے کیونکہ انہوں نے بنو عباس کے سرکاری موقف اعتزال کے تحت خلق قرآن کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کیا تھا اس لئے انہیں قید کر دیا گیا اور قید خانے میں ہی تعذیب کے سبب وہ جاں بحق ہو گئے۔ (تدریج التشریع اسلامی، بیروت)

شافعی مذہب کے ماننے والے:

آج کل شافعی مذہب کے ماننے والے زیادہ تر مصر، جنوبی عرب، (یمن، حضر موت) سری لنکا، انڈونیشیا، ملیشیا اور مشرقی افریقہ (کینیا، تنزانیہ) اور جنوبی امریکہ (سری نام) میں پائے جاتے ہیں۔

مذہب حنبلی - بانی امام احمد (۸۵۵-۷۷۸ء)

مذہب حنبلی امام احمد بن حنبل الشیبانی سے منسوب ہے، وہ ۷۷۸ء میں بغداد میں پیدا ہوئے، وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم حدیث اور حافظ حدیث تھے۔ علم حدیث پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے امام احمد نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہ کے ممتاز شاگرد امام ابو یوسف سے اور امام شافعی سے حاصل کی۔ امام احمد کے عہد کے عباسی خلفاء نے اعتزال کا عقیدہ قبول کر لیا تھا جس کے سبب امام احمد بن حنبل کو اذیتوں کے ایک طویل دور سے گزرنا پڑا۔ انہیں خلیفہ مامون

Marfat.com

(مدت خلافت ۸۴۲-۸۱۳) کے عہد میں دو سال تک قید خانہ میں رہنا پڑا اور وہ شدید اذیت کا شکار ہوئے کیونکہ انہوں نے معتزلہ کے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ قرآن عظیم مخلوق ہے۔ قید سے رہائی کے بعد بھی وہ بغداد میں درس دیتے رہے۔ جب واثق خلیفہ ہوا (مدت خلافت ۸۴۲-۴۶ء) تو اذیت و تعذیب کا دور پھر شروع ہو گیا۔ امام احمد نے درس کا سلسلہ منقطع کر دیا اور پانچ سال تک چھپے رہے یہاں تک کہ خلیفہ المتوکل سریر آرائے خلافت ہوا۔ (۸۶۱-۸۴۷ء) خلیفہ المتوکل نے عقیدہ کی بنیاد پر تعذیب و تشدد کو ختم کر دیا۔ سرکاری طور پر اعتزال کو مسترد کیا اور معتزلہ کو دربار سے نکال دیا۔ امام احمد نے پھر بغداد میں سلسلہ درس شروع کر دیا اور ان کی وفات ۸۵۵ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

فقہ حنبلی کی تشکیل:

امام احمد بن حنبل کا اہم ترین مشغلہ جمع حدیث، روایت حدیث اور شرح حدیث تھا۔ امام احمد بن حنبل کا طریقہ درس یہ تھا کہ وہ اپنے مجموعہ احادیث المسند سے جس میں تیس ہزار احادیث اور ان کی تعبیر و تشریح کے بارے میں صحابہ کے آثار و اقوال درج تھے اپنے تلامذہ کو املا کراتے تھے۔ اس کے بعد وہ حدیث یا حکم کو مختلف عصری مسائل پر منطبق کرتے، اگر انکے حل کے لئے کوئی حدیث یا آثار صحابہ دستیاب نہ ہوتے تو وہ اس مسئلہ پر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے لیکن شاگردوں کو تاکید کرتے تھے کہ ان کی رائے کو اپنی کتابوں میں درج نہ کریں۔

چنانچہ حنبلی فقہ کے مسائل امام احمد بن حنبل کے شاگردوں نے نہیں بلکہ ان شاگردوں کے تلامذہ نے نقل کئے۔

فقہ حنبلی کے مآخذ

۱- قرآن عظیم:

قرآن عظیم کے بارے میں امام احمد کا موقف بھی علماء و ائمہ متقدمین جیسا ہی تھا یعنی وہ کتاب الٰہی کو سب سے بالا اور دین و شریعت کا اولیں مأخذ سمجھتے تھے۔

۲-سنت:

قرآن عظیم کے ساتھ وہ سنت نبوی علیہ التحیہ والتسلیم کو بھی شریعت اسلامی کا دوسرا اور اہم بنیادی مأخذ قرار دیتے تھے، ان کی صرف ایک ہی شرط تھی کہ حدیث مرفوع (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایت کی ہوتی) ہونی چاہئے۔

۳-اجماع صحابہ:

امام احمد بن حنبل اجماع صحابہ کو تسلیم کرتے تھے اور اسے شریعت کا تیسرا مأخذ کہتے تھے۔ لیکن عہد صحابہ کے بعد کے اجماع کو وہ غلط کہہ کر مسترد کر دیتے تھے کیونکہ اس دور میں علماء کی بہت بڑی تعداد تھی اور وہ حدود خلافت میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔

۴-صحابہ کرام کی انفرادی رائے:

اگر کسی مسئلہ پر صحابہ کی آراء مختلف ہوئیں تو امام احمد امام مالک کی طرح ان سب آراء کو اہمیت دیتے تھے اور قابل اعتنا سمجھتے تھے، اس وجہ سے اس فقہ میں کسی انفرادی مسئلہ پر متعدد آرا پائی جاتی ہیں۔

۵-حدیث ضعیف:

اگر کسی مسئلہ میں مذکورہ چاروں مأخذ میں کہیں سے بھی کوئی حل دستیاب نہیں ہوتا تو امام احمد اپنی رائے (قیاس) کے مقابلہ میں کسی ضعیف حدیث سے استفادہ کو ترجیح دیتے تھے تاہم یہ موقف اس کے ساتھ مشروط تھا کہ حدیث متعلقہ اس لئے ضعیف قرار نہ دی گئی ہو کہ اس کا کوئی راوی متہم بالفسق یا کاذب تھا۔

۶-قیاس:

جب کسی بھی اہم اصول کے تحت کسی مسئلہ کا حل دستیاب نہ ہوتا تو امام احمد تذبذب کے عالم میں اپنی رائے پر انحصار کرتے اور اصول قیاس کو بروئے کار لاتے۔ اور کسی ایک یا متعدد سابقہ اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس کرتے۔ (المدخل ۲۰۳-۲۰۲)

Marfat.com

حنبلی مذہب کے اہم فقہاء:

امام احمد کے ممتاز تلامذہ میں ان کے دونوں صاحبزادگان بھی شامل تھے۔ صالح (وفات ۸۷۳ء) اور عبداللہ (وفات ۹۰۳ء) امام بخاری اور امام مسلم جنہوں نے احادیث کے مستند ترین مجموعے مرتب کئے اور عظیم ترین محدث کہلائے وہ امام ابن حنبل کے تلامذہ میں سے تھے۔

(تاریخ المذاہب الاسلامی ج ۲ ص ۳۳۹)

حنبلی مذہب کے ماننے والے:

آج کل حنبلی مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت فلسطین اور سعودی عرب میں پائی جاتی ہے۔ فقہ حنبلی کے کم وبیش معدوم ہو جانے کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب نے وہابی تحریک کے نام سے معروف تحریک کے ذریعہ اس مذہب کا احیاء کیا۔ انہوں نے حنبلی مذہب کے فقہا سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس طرح فقہ حنبلی اس تحریک کا غیر رسمی مسلک بن گیا۔ جب ملک عبدالعزیز ابن سعود نے جزیرہ نمائے عرب کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے حنبلی مذہب کو مملکت سعودی عربیہ کا سرکاری دستور قرار دیا۔

ظاہری مذہب۔ بانی امام داؤد (۸۸۳-۸۱۵ء)

اس فقہی مسلک کے بانی داؤد ابن علی کوفہ میں ۸۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امام شافعی کے شاگردوں سے فقہ کی ابتدائی تعلیم حاصل کی لیکن بعد کو مطالعہ حدیث کی طرف راغب ہوئے اور امام احمد بن حنبل کے حلقہ حدیث میں شامل ہو گئے وہ امام احمد کے حلقہ درس میں تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن جب انہوں نے اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ قرآن عظیم محدث ہے اور مخلوق ہے تو انہیں امام احمد کے حلقہ درس سے نکال دیا گیا۔ وہاں سے اخراج کے بعد انہوں نے اجتہاد کا ایک آزادانہ طریق اختیار کیا جو قرآن وسنت کے لغوی اور ظاہری معانی پر مشتمل تھا۔ ان کے اس موقف کے سبب ان کے مذہب کو ظاہری کا نام دیا گیا اور وہ داؤد الظاہری کے نام سے مشہور ہوئے۔

مآخذ: قرآن اور سنت:

دیگر علماء ائمہ وفقہا کی طرح داؤد بھی قرآن عظیم اور سنت نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم کو شریعت

Marfat.com

اسلامی کے دو بنیادی اور اہم ترین ماٗخذ سمجھتے تھے لیکن وہ ان دونوں آخذ کے لغوی معانی و مفہوم پر ہی انحصار کرتے تھے یعنی ان کا اطلاق صرف ان ہی مخصوص حالات میں کیا جاسکتا ہے جن کی وہ وضاحت کرتے ہیں۔

اجماع صحابہ:

امام داؤد اجماع صحابہ کو معتبر قرار دیتے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ صحابہ کرام کا اجماع ان احکام کی بنیاد پر ہی ہوسکتا تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کیے گئے تھے اور صحابہ کو ان کا علم تھا لیکن بعض وجوہ کے سبب انہیں حدیث کے طور پر روایت نہیں کیا گیا۔

لہٰذا وہ صحابہ کرام کے اجماع کو قیاس کا نتیجہ نہیں قرار دیتے تھے۔

قیاس:

چونکہ امام داؤد قرآن وسنت کے لغوی معنوں پر ہی انحصار کرتے تھے لہٰذا وہ اجتہاد کی بنیاد پر قائم کردہ کسی بھی رائے کو خود بخود مسترد کر دیتے تھے، ظاہر ہے اس میں قیاس بھی شامل تھا۔ (المدخل ص ۲۰۶) بہر حال وہ اصول ''مفہوم'' جس کا وہ قیاس کی جگہ قرآن وسنت پر اطلاق کرتے تھے وہ بھی عملی طور پر قیاس جیسا ہی ہوتا تھا دونوں میں فرق کرنا مشکل تھا۔

(مختصر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ظاہری مذہب کے ممتاز فقہا:

ظاہری مسلک کے محدود امکانات اور اسے ممتاز علماء نہ ملنے کے سبب جو اس کی تبلیغ و اشاعت کر سکتے، یہ مسلک زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکا۔ خود امام داؤد کی زندگی میں بھی ان کے مسلک کو حدود خلافت میں کہیں بھی استحکام حاصل نہیں ہوا اور نہ ان کی وفات کے ڈیڑھ صدی تک اسے کوئی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، بعد کے ادوار میں وہ علماء جو قیاس پر انحصار نہیں کرتے تھے انہیں ظاہری کے نام سے پکارا جاتا تھا حالانکہ نہ وہ داؤد ظاہری یا ان کے کسی شاگرد کے تلامذہ میں سے تھے نہ انہوں نے ظاہری مسلک کا مطالعہ کیا تھا۔

مسلک ظاہری کے سب سے ممتاز عالم گیارہویں صدی عیسوی کے ایک اسپینی فاضل علی

Marfat.com

بن احمد ابن حزم الاندلسی (وفات ۱۰۷۰ء) تھے۔ ابن حزم نے اس مسلک کا احیاء کیا اور اس کی تائید میں علوم اسلامی کے مختلف شعبوں میں متعدد کتابیں تصنیف کیں مثلاً اصول فقہ کے میدان میں ان کی کتاب ''احکام الاحکام'' الفصل دینیات میں اور فقہ میں المحلیٰ۔ ابن حزم کی سعی و کاوش سے مسلک ظاہری اسلامی اسپین میں مقبول ہوا اور اسے فروغ ہوا۔ یہیں سے اس کا اثر شمالی افریقہ اور دیگر ممالک میں بھی پہنچا۔ اسپین میں یہ مذہب مقبول رہا یہاں تک کہ ۱۴۰۰ عیسوی کے ابتداء میں وہاں اسلامی حکومت پر زوال آ گیا۔ اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ وہاں سے مسلمان بھی ختم ہو گئے۔ اسی کے ساتھ یہ مسلک بھی معدوم ہو گیا صرف چند علمی کتابیں اس کی باقیات کے طور پر رہ گئیں جو اکثر امام ابن حزم کی ہی تصنیف تھیں۔

جریری مذہب- بانی امام الطبری (۸۳۹-۹۲۳ء)

محمد ابن جریر ابن یزید الطبری اس مسلک کے بانی تھے۔ وہ ۸۳۹ء میں صوبہ طبرستان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حدیث، فقہ اور تاریخ میں بہت بلند علمی مقام حاصل کیا۔ انہوں نے طویل اور بکثرت سفر کئے اور فقہ حنفی، مالکی اور شافعی کا مطالعہ کیا۔ اپنے سفر مصر سے واپسی کے بعد دس سال تک وہ فقہ شافعی پر سختی سے عامل رہے اس کے بعد انہوں نے اپنا ایک مسلک قائم کیا اس کے ماننے والے اپنے آپ کو جریری کہتے تھے لیکن ان کا مسلک شافعی مذہب سے اصول میں کم اور عمل میں زیادہ مختلف تھا اور نسبتاً تیزی سے پس منظر میں گم ہو گیا۔

علامہ طبری اپنی تفسیر قرآن عظیم کے حوالے سے زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے تفسیر کا نام جامع البیان رکھا تھا لیکن وہ تفسیر طبری کے نام سے زیادہ مشہور ہوئی۔ اسی طرح ان کی تالیف کردہ تاریخ عالم جس کا نام تاریخ الرسول والملوک ہے لیکن علمی حلقوں میں تاریخ الطبری کے نام سے مقبول و معروف ہے۔

خلاصہ:

اہم مذاہب (مسلک) مذہب حنفی، مذہب مالکی، مذہب شافعی، مذہب حنبلی اور مذہب زیدی تھے۔ یہ مذاہب حکومت کی سرپرستی اور پہلی نسل کے ممتاز علماء کی کوششوں کے سبب زندہ رہے۔

Marfat.com

۲- دیگر اہم چھوٹے مسالک میں اوزاعی مذہب، لیثی مذہب، ثوری مذہب، ظاہری مذہب اور جریری مذہب ہیں۔ یہ مذاہب (مسلک) یا تو سیاسی وجوہ کے سبب یا پھر اس لئے کہ ان کے بانیان کے شاگردوں نے اپنے ائمہ کے اقوال و احکام کو تحریر نہیں کیا معدوم ہو گئے۔

۳- ان مذاہب کے اصل مأخذ جن پر تمام ائمہ متفق تھے قرآن و سنت، اجماع صحابہ اور قیاس ہیں۔

۴- ان تمام مذاہب نے سنت کو اسلامی شریعت کا بنیادی مأخذ تسلیم کرنے کے لئے کچھ شرائط نافذ کیں۔

i- حنفی مذہب کی شرط یہ ہے کہ حدیث مشہور ہونی چاہئے۔

ii- مالکی مذہب کا موقف یہ تھا کہ حدیث اہل مدینہ کے اجماع کی مخالفت نہ کرتی ہو۔

iii- شافعی مسلک کا اصرار تھا کہ حدیث صحیح (مستند) ہونی چاہئے۔

iv- حنبلی مذہب کی دلیل یہ تھی کہ حدیث مرفوع ہونی چاہئے موضوع نہ ہو۔ اس طرح ضعیف حدیثوں کو بھی سنت کا ایک جزو تسلیم کیا گیا۔

۵- اسلامی قوانین کے متنازعہ مآخذ حسب ذیل تھے:

i- علماء کا اجماع اور استحسان جسے حنفی مذہب تسلیم کرتا ہے۔

ii- استصلاح اور اہل مدینہ کا اجماع اور ان کے رواج اور دستور۔ اسے مالکی مذہب میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

iii- عرف جسے حنفی اور مالکی مذہب میں اعتبار حاصل ہے۔

iv- ضعیف احادیث حنبلی مذہب میں انہیں قابل استناد سمجھا جاتا ہے۔

v- اقوال علیؓ (ابن ابی طالب) خلیفہ راشد کے احکام و اقوال جو مذہب زیدی ہیں مستند اور مأخذ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

۶- متضاد احکام کے اہم اسباب:

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ائمہ اربعہ اسلامی شریعت کے بنیادی مأخذ کے طور پر قرآن و سنت، اجماع صحابہ اور قیاس کو تسلیم کرنے پر متفق الرائے تھے۔ ان مسالک کے احکام میں بعض

Marfat.com

اختلافات اس وقت بھی تھے اور آج بھی باقی ہیں۔ یہ اختلافات مختلف وجوہ کے سبب ابھرے جو مندرجہ ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہیں:

الفاظ کے معنی و مفہوم کی تشریح اور قواعد زبان کا مسئلہ۔ روایت حدیث (دستیابی، صحت، شرائط قبول، اور عبارت کے اختلاف کی تشریح و توضیح) بعض اصولوں کا قابل تسلیم ہونا اجماع اہل مدینہ کے رسوم و دستور، استحسان صحابہ کی رائے اور اقوال اور قیاس کے طریق۔ جہاں کہیں ضروری ہوگا ان چاروں مذاہب کے موقف کا ذکر کیا جائے گا۔

۱- الفاظ کے معنی:

الفاظ کے معنی و مفہوم کے بارے میں جو اختلافات ابھرے انہوں نے تین بنیادی صورتیں اختیار کیں۔

۱- مشترکہ لغوی معنی - قرآن عظیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن کے ایک سے زیادہ لغوی معنی ہو سکتے ہیں مثلاً لفظ قرء (جمع قروء یا اقراء) اس کے معنی ہیں حیض یا ایام حیض کے دوران ایام طہر (پاکی) لہٰذا ائمہ فقہ اس آیت قرآنی کی تشریح و تعبیر کے بارے میں دو حصوں میں بٹ گئے۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ.

(البقرہ: ۲۲۸)

(مطلقہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں)

اس آیت کے مفہوم کی مخصوص تشریح جب ایک مطلقہ عورت کے بارے میں غور کیا جائے جس کا تیسرا حیض شروع ہوا ہو۔ تو ایک اہم اختلاف ابھرتا ہے ان علماء کے نزدیک جو قرء کو طہر (پاکی) کی مدت قرار دیتے ہیں، حیض شروع ہوتے ہی طلاق کی مدت پوری ہو جائے گی۔ جبکہ ان علماء کے نزدیک جو قرء کو اصل حیض قرار دیتے ہیں یہ مدت اس وقت تک پوری نہیں ہوگی جب تک کہ تیسرے حیض کا دور پورا نہ ہو جائے۔

۱- امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل کے نزدیک قرء سے مراد طہر ہے۔

۲- امام ابوحنیفہ قرء کو اصل حیض قرار دیتے ہیں۔

(اسباب اختلاف الفقہ، از عبداللہ عبدالمحسن الترکی)

Marfat.com

(نوٹ) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ام حبیبہ کو بے ضابطہ طور پر حیض آنے کی شکایت تھی انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ قرء کے دوران نماز ادا نہ کریں۔ (نسائی - ابوداؤد) حضرت عائشہ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے بریرہ کو تلقین کی کہ وہ تین حیض (عدت) انتظار کریں۔ (ابن ماجہ) ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرء سے مراد خود حیض ہے۔

(ب) لغوی اور صوری معنی:

قرآن وسنت میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے لغوی اور صوری دونوں معنی ہیں مثلاً مس (چھونا) اس کے لغوی معنی ہاتھ سے چھونا یا دو چیزوں کا ملنا۔ صوری معنی میں اس سے مراد جنسی عمل ہے۔ پس مندرجہ ذیل آیت قرآنی کے معنی ومفہوم کے بارے میں فقہاء تین زمروں میں تقسیم ہو گئے۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (النساء: ۴۳) (اور اگر تم نے عورتوں کو چھوا ہو (لمستم) اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو) یہ آیت اس پس منظر میں نازل ہوئی وہ عمل جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۱- امام شافعی اور ان کے اکثر تلامذہ کا موقف یہ ہے کہ لمس سے مراد ہاتھ سے چھونا ہے یا جسم کا اتصال ہے۔ پس اگر کوئی مرد یا عورت عمداً یا اتفاقاً ایک دوسرے کو چھو لیں (جلد، دوسرے کی جلد سے مل جائے) تو انہیں وضو کی تجدید کرنا ہو گی۔ (یعنی ان کا وضو ٹوٹ جائے گا)

۲- امام مالک اور ان کے اکثر تلامذہ کا قول ہے کہ لمس سے مراد ہاتھ سے چھونا تاہم ان کی دلیل یہ ہے کہ وضو اسی صورت میں ٹوٹے گا اگر لمس میں تلذذ کا شائبہ ہو اور یہ لمس عمداً ہو یا اتفاقی، جلد، جلد پر ہو یا کسی اور طرح۔ یہی امام احمد بن حنبل کا بھی معروف موقف تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اس میں فیصلہ کن عامل تلذذ ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث موجود ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب (تہجد میں) سجدہ کرتے تھے تو ہاتھ کے لمس سے حضرت عائشہ کے پاؤں کو چھوتے تھے۔ (بخاری)

۳- امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں لمس سے مراد جنسی عمل ہے لہٰذا عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ خواہ اس میں لذت کا احساس شامل ہو یا نہ ہو۔ یہ موقف حضرت

Marfat.com

عائشہ کی حدیث کی بنیاد پر ہے اوران ہی سے مروی ایک اور حدیث جسے ایک صحابی حضرت عروہ نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور پھر نماز ادا کرنے چلے جاتے تھے اس دوران وہ وضو نہیں کرتے تھے۔

قواعد (صرف ونحو) کی رو سے معنی ومفہوم:

عربی زبان میں بعض جملوں کی صرفی ونحوی ساخت سے بھی ابہام پیدا ہوتا ہے مثلاً لفظ الیٰ جس کے معنی ہیں جانب۔ یعنی وہاں تک لیکن بشمول اس کے تحت نہیں آتا جیسا کہ قرآنی آیت ثُمَّ اَتِمُّ الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ اوررات تک (الی) صیام پورا کرو۔

صوم مغرب (شام) تک جاری رہتا ہے یعنی غروب آفتاب تک اوراس میں رات فی نفسہ شامل نہیں ہوتی۔ آیت کے معنی ومفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن الیٰ کے معنوں میں اس وقت (وہاں تک) شامل ہے لیکن بشمول کامفہوم نہیں ہے۔

جیسا کہ قرآنی آیت: وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ۔اورہم مجرموں کوجہنم کی طرف تھکے ہوئے جھنڈ کی طرح دھکیل دیں گے۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیت میں وضو کرنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی فقہا کی دو رائے ہیں: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ. (المائدہ:٦)
(اوراپنے چہروں اوراپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوو)

١- امام ابوحنیفہ کے شاگرد ظفر، ابن داؤد الظاہری اور امام مالک کے بعض تلامذہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہنیوں تک (لیکن کہنیاں اس میں شامل نہیں) (کہنیاں دھونا ضروری نہیں۔) (نیل الاوطار الشوکانی)

٢- جبکہ چاروں ائمہ کا قول یہ ہے کہ کہنیوں تک بشمول کہنیوں کے (یعنی کہنیاں دھونا بھی ضروری ہے) (الانصاف فی بیان الاختلاف)

صحیح احادیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یہ ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

(نعیم بن عبداللہ بن المجمر نے بیان کیا میں نے ابوہریرہ کو وضو کرتے دیکھا۔ انہوں نے

Marfat.com

اپنا چہرہ پوری طرح دھویا پھر اپنے دائیں بازو کو دھویا اس کا اوپری حصہ بھی دھویا اور کہا میں نے اسی طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے۔ (مسلم)

روایت حدیث:

احادیث کی قرأت اور اس کے اطلاق کے بارے میں فقہا میں جو اختلافات ہیں انہیں مندرجہ ذیل زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

احادیث کی دستیابی:

متعدد ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے فقہاء کو بہت سی حدیثوں کی روایت نہیں پہنچی کیونکہ وہ صحابہ جنہوں نے یہ احادیث روایت کیں وہ خلافت اسلامیہ کے مختلف علاقوں میں جا بسے تھے۔ نیز جو اہم فقہی مذاہب (مسلک) وجود میں آئے وہ بھی احادیث کے جامع اور مبسوط مجموعے مرتب ہونے سے پہلے قائم ہو چکے تھے اور یہ فقہی مذاہب خلافت اسلامیہ کے مختلف علاقوں میں قائم کئے گئے۔ امام ابو حنیفہ (۷۶۷-۷۰۲ء) کا مسلک، امام مالک (۸۵۵-۷۷۱ء) امام احمد بن حنبل اور امام شافعی (۸۵۵-۷۷۸ء) یہ مذاہب آٹھویں صدی عیسوی کے وسط اور نویں صدی کی ابتدا میں وجود میں آئے جبکہ صحیح احادیث (صحاح ستہ) نویں صدی عیسوی کے آخر اور دسویں صدی عیسوی کے شروع تک دستیاب نہیں تھیں۔

۱- امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ استسقاء (نماز) کے لئے باضابطہ جماعت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا یہ موقف حضرت انس بن مالک کی اس حدیث پر مبنی ہے کہ ایک بار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جماعت کے ہی بارش کے لئے خود بخود دعا کی۔ (مسلم)

۲- لیکن ان کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر ائمہ کا موقف یہ ہے کہ استسقاء کے لئے جماعت کا اہتمام درست ہے۔ ان فقہا کا یہ موقف اس حدیث پر مبنی ہے جسے عبادہ بن تمیم اور دیگر صحابہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر گئے اور قبلہ رخ ہو کر بارش کے لئے دعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک کو الٹا اور صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ (مسلم)

Marfat.com

ضعیف روایت حدیث:

ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں بعض فقہا نے ایسی احادیث کی بنیاد پر فتوے صادر کردئے جو ضعیف تھیں۔اس کا سبب یہ تھا کہ یا تو وہ اس حقیقت سے باخبر نہیں تھے کہ یہ حدیثیں نا قابل استناد ہیں یا پھر ان کا موقف یہ تھا کہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف احادیث قابل ترجیح ہیں۔

مثال کے طور پر:

امام ابوحنیفہ ان کے تلامذہ اور امام احمد بن حنبل کا قول یہ تھا کہ قے آنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ان کا موقف اس حدیث پر مبنی تھا جو حضرت عائشہؓ سے منسوب ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کو قے آجائے تو وہ نماز کو منقطع کردے دوبارہ وضو کرے اور بقیہ نماز پوری کرلے اس دوران وہ کسی سے بات نہ کرے۔(ضعیف الجامع الصغیر۔البانی)

امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے کہ دو وجوہ کے سبب قے سے وضونہیں ٹوٹتا: اول یہ کہ مذکورہ بالا حدیث صحیح (مستند) نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ دیگر مآخذ میں قے کو وضو باطل ہوجانے کا سبب نہیں قرار دیا گیا ہے۔

۳-قبول حدیث کی شرائط:

فقہا کے درمیان سنت کے بارے میں جو اختلافات ابھرے ان میں قبول حدیث کی شرائط بھی ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ کی شرط یہ ہے کہ جس حدیث کو بطور ثبوت و استدلال پیش کیا جائے وہ مشہور ہونی چاہئے جبکہ امام مالک کا قول یہ ہے کہ حدیث کو اہل مدینہ کے رواج و دستور سے متصادم نہیں ہونا چاہئے تب ہی وہ قابل قبول ہوگی۔امام احمد بن حنبل کے نزدیک حدیث مرسل (وہ حدیث جو کسی تابعی نے روایت کی ہو لیکن اس میں اس صحابی کا نام بیان نہ کیا گیا ہو جس سے اس نے یہ حدیث سماعت کی) بطور دلیل قابل قبول ہے۔امام شافعی نے صرف سعید بن مسیب کی حدیث مرسل کو قبول کیا جن کے بارے میں اکثر علماء کا موقف ہے کہ وہ صحیح مستند وہیں۔

Marfat.com

۴-احادیث کے متن کے اختلاف کا فیصلہ:

بعض کتابت شدہ احادیث کے لغوی مفہوم کے واضح اختلاف کو طے کرنے کے لئے بانیان مذاہب فقہی اوران کے تلامذہ نے دو منہج اختیار کئے۔ بعض فقہاء نے اس کے لئے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جس کے تحت بعض احادیث کو قبول اور بعض کو جو اسی مسئلہ اور عنوان پر تھیں رد کر دیا گیا۔ جبکہ دیگر فقہا نے جمع کا طریقہ استعمال کیا یعنی ایک حدیث کو عمومی مفہوم میں لے کر دیگر احادیث کو جمع کیا۔ مثال کے طور پر ایک صحیح حدیث ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فجر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ عصر کی نماز کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔ (بخاری) جب کہ اسی کے ساتھ دیگر صحیح احادیث بھی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ بعض صحابہ کو وقت کی تحدید کے بغیر ادائیگی صلوٰۃ کی اجازت دی گئی۔ مثلاً یہ حدیث کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔ (بخاری)

امام ابوحنیفہ نے پہلی حدیث کی بنیاد پر فیصلہ دیا کہ ممنوعہ اوقات میں ہر طرح کی نماز ممنوع ہے۔

۲-امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے ان دونوں احادیث کو جمع کر دیا اور فتویٰ دیا کہ پہلی حدیث عمومی نوعیت کی ہے اور نفل نماز کے بارے میں ہے جبکہ دوسری حدیث مخصوص نوعیت کی ہے جس کے تحت ممنوعہ اوقات میں بھی مستحب عبادات کی ادائیگی کی اجازت ہے۔ (اس حدیث کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی چھوٹی ہوئی سنتیں عصر کی نماز کے بعد ادا کیں۔ اسے ام المومنین حضرت ام سلمیٰ نے روایت کیا ہے اور بخاری نے نقل کیا ہے)

۳-بعض اصولوں کا قابل قبول ہونا:

ائمہ میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے کچھ متنازعہ فیہ اصول وضع کئے جن کی بنیاد پر وہ فتوی صادر کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صادر کردہ فتویٰ اور جس اصول کی بنیاد پر فتویٰ دیا گیا دونوں ہی اختلاف کا عنوان بن جاتے تھے۔ مثال کے طور پر صحابہ کے بعد اجماع کے جائز ہونے کو بیشتر فقہا تسلیم کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اس کے وجود پر سوال اٹھایا جبکہ امام احمد بن حنبل نے اسے یکسر مسترد کر دیا۔ اسی طرح امام مالک کے اس موقف کو کہ وہ اہل مدینہ کے رسوم

Marfat.com

درواج کو قانون سازی کا ایک آخذ سمجھتے تھے اکثر فقہا نے مسترد کردیا۔

امام ابوحنیفہ کے اصول استحسان اور امام مالک کے اصول استصلاح کو امام شافعی نے قرآن عظیم، سنت اور اجماع سے حد درجہ بعید ہونے کے سبب نا قابل اعتنا ٹھہرایا۔ یعنی وہ اپنی رائے اور عقل (اجتہاد) پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ امام شافعی کا موقف ہے کہ شرعی امور میں صحابہ کی رائے کو قبول کیا جانا چاہئے جبکہ بعض دیگر فقہا کا قول یہ ہے کہ یہ صرف ان کا اجتہاد تھا اور بعد کو آنے والی نسلوں کے لئے اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔ (اسباب اختلاف الفقہاء ص ۱۳۸-۱۲۶)

۵- قیاس کے طریقے:

قیاس کے اطلاق کے لئے فقہا نے جو متفرق منہج اختیار کئے وہ ان کے درمیان اختلاف کا سب سے اہم سبب بن گئے۔ بعض نے قیاس کے لئے شرائط عائد کر کے قیاس کا استعمال محدود کردیا۔ بلکہ دیگر فقہا نے اس کے حدود کو وسیع کردیا۔ کیونکہ یہ اصول بڑی حد تک ذاتی رائے پر مبنی ہے، اسے محدود کرنے کے لئے کوئی ایسا اصول نہیں ہے جو اسے محدود کرسکے۔ اور اس سبب سے یہ وسیع اختلاف ظاہر ہوا۔

خلاصہ:

۱- الفاظ کے متشابہ، معنوی اور صوری مفہوم میں اختلافات اور ان کے متفرق معنی و مفہوم تسلیم کئے جانے کی وجہ سے فتاوی واحکام میں اختلافات پیدا ہوئے۔ اسی طرح قواعد (گرامر) کے مفہوم (مثلاً قرء اور لمس) کی توضیح کے سبب بھی مختلف تشریح پیش کی گئی۔

۲- احادیث کے اطلاق کے بارے میں متفرق احکام صادر کئے گئے جو احادیث کی دستیابی ان کی صحت (مستند حدیث) ان کے قبول کئے جانے کی شرائط اور متن کے اختلاف کے حل پر مبنی تھے۔

۳- کچھ ائمہ نے بعض ثانوی اصول مرتب کئے اور پھر ان کی بنیاد پر فتویٰ دینے لگے۔ دیگر ائمہ نے یہ اصول اور ان کی بنیاد پر دئے گئے فتویٰ رد کردیئے۔ (مثلاً استحسان اور اہل مدینہ کا اجماع)

۴- قیاس کے ثانوی اصول عموماً تسلیم کر لئے گئے لیکن اس کے لئے استعمال کئے جانے والے اجتہادی منہج کے بارے میں فقہاء مختلف الرائے تھے۔ اس کے سبب ایک ہی موضوع پر ان کے فتوے مختلف ہوتے تھے۔

Marfat.com

۷-پانچواں مرحلہ

استحکام

اس مرحلہ کے تحت ۹۵۰ء سے سقوط بغداد (۱۲۵۸ء) تک کا دور آتا ہے اور یہ خلافت عباسیہ کے زوال سے لے کر انجام کار اس کے خاتمہ تک وسیع ہے۔ اس عہد میں خلفائے عباسیہ کی سرپرستی میں مناظروں کو فروغ ہوا اور ان میں سے بعض کی روداد کتابوں میں محفوظ بھی کر دی گئی۔ ان مناظروں کے نتیجے میں رقابت کا جو جذبہ پیدا ہوا اس سے عوام بھی متاثر ہوئے اور مسلکی تعصب کو وسیع پیمانہ پر عروج حاصل ہوا۔ اسی دور میں مسالک کی تعداد میں بہت کمی ہوئی اور صرف چار مسلک ہی باقی رہ سکے کیونکہ وہ بے حد منظم اور مرتب حیثیت میں تھے۔ ہر مسلک کے فقیہ کو اپنے فقہ کے اصول کی بنیاد اور دائرہ میں رہ کر ہی اجتہاد کرنا پڑتا تھا۔ اسی دور میں فقہ کی مزید ترتیب و تالیف ہوئی اور اسے مسلکی رقابت کے لئے استعمال کیا گیا۔

(المدخل ۱۵۷-۱۴۷)

چار (فقہی) مسلک:

اسی دور میں فقہی مسالک کی تعداد گھٹ کر صرف چار رہ گئی تین بڑے اور ایک چھوٹا۔ بالفاظ دیگر عظیم ائمہ مثلاً: الاوزاعی، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابوثور، اور اللیث ابن سعد، ان سب کے مرتب کردہ فقہی مسلک معدوم ہو گئے۔ اور صرف ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور ابن حنبل کے مسالک ہی باقی رہے۔ وقت کے ساتھ ان فقہی مسالک کا ایسا غلبہ ہوا کہ عوام جلد ہی یہ بھی بھول گئے کہ ان کے مسلک کے علاوہ کسی دیگر مسلک کا وجود بھی ہے؟ جلد ہی ان مسالک نے اپنا ایک مضبوط دائرہ اثر بنالیا اور مسلک کے پیرو اپنے آپ کو ان مسالک کے بانی ائمہ سے نسبت دینے لگے۔ مثلاً فقہ کی اہم اور معتبر کتاب شرح کے مصنف الحسین ابن مسعود البغاوی کو

Marfat.com

عام طور پر الحسین بن مسعود البغاوی الشافعی کہا جاتا تھا یعنی انہیں ان کے مسلک کے بانی امام شافعی سے نسبت دی جاتی تھی۔

اسی دور میں ان مسالک کے اہم فقہا نے اپنے مسلک کے فقہی احکام کا تجزیہ کیا جو ان کے ائمہ نے جاری کیئے تھے۔ ان احکام و فتاوی کی بنیاد جن اصولوں پر تھی ان کا استنباط کر کے انہیں مرتب کیا۔ انہوں نے ایسے مسائل کے حل کے لئے محدود پیمانے پر اجتہاد بھی کیا جو ان کے ائمہ کے سامنے نہیں آئے تھے لیکن یہ میدان جلد ہی خالی ہو گیا کیونکہ دربار خلافت اور اس سے باہر ہر طرف فقہ کے مفروضہ مسائل چھا گئے۔ انجام کار ایک مخصوص مسلک کے قائم کردہ اصولوں کے دائرہ میں ہی اجتہاد کیا جانے لگا اور آزادانہ اجتہاد کے عمل کو مسترد کر دیا گیا۔ بحث واستدلال کے اس جدید طریقہ کو اجتہاد مذہبی کا نام دیا گیا، اس کے تحت نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے صرف وہی اصول بروئے کار لائے جاتے تھے جو اس مسلک کے بانی امام نے مقرر کیئے تھے۔ اس طرح اس دور کے فقہا بعض فروعی مسائل میں اپنے مسلک کے امام سے اختلاف بھی کرتے تھے لیکن اصول میں شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا تھا۔

فقہی مسالک کے علماء اصول ترجیح کو بھی بروئے عمل لاتے تھے جس کے تحت ایک ہی موضوع پر اس مسلک کے فقہاء کی رائے کے مقابلہ میں کسی مخصوص مسلک کے فقیہ کی رائے کو اختیار کر لیا جاتا تھا، جہاں کسی ایک موضوع پر اس مسلک کے بانی امام اور اس کے ممتاز تلامذہ نے اپنی پہلی رائے میں تبدیلی کی تھی تو اس مسئلہ پر باہمی اختلاف رائے بھی ظاہر ہوا، تاہم اس پہلی رائے اور ترمیم شدہ دونوں کو ضبط تحریر میں لایا گیا اور مسلک میں اختلاف رائے کی اس روایت کو آئندہ نسلوں تک پہنچایا گیا۔ کسی مسلک کے متقدمین فقہا کے بیانات کی شرح و تعبیر میں بھی اختلافات سامنے آئے۔ استحکام کے اس دور میں ہر مسلک کے فقہا نے ان ضعیف اور موضوع احکام و اقوال کی چھان بین کی جنہیں اس مسلک کے بانی امام سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے مسلک کے بانی ائمہ کے اقوال و آراء کی ان کی صحت کے معیار پر درجہ بندی بھی کی۔ استناد اور درجہ بندی کے اس عمل کو تصحیح کا نام دیا گیا۔

Marfat.com

ہر ایک مسلک میں فقہ کے اس مفصل انضباط کے عمل سے اس مسلک کی حدود میں رہ کر استنباط و استخراج میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی تاہم جیسا کہ اس سے پہلے کے دور میں اسلامی فقہ کے مآخذ کی نظم و ترتیب کے عمل میں ہوا تھا وہ لطیف امتیازات جو اس دور کے فقہا نے شرح و بسط سے بیان کئے تھے ان سے بھی مسلکی فرقہ بندی کو فروغ حاصل ہوا۔

فقہ کی تدوین:

عہد عباسی کے اس دور میں فقہی کتب کی تالیف کے ایک منہج (نمونہ) کا ارتقاء بھی عمل میں آیا۔ اس طرز نے ایک معیار بندی کی شکل اختیار کر لی اور آج بھی اس کی پیروی و پابندی کی جاتی ہے۔ مختلف موضوعات کو ایک مخصوص عنوان کے تحت یکجا کر دیا جاتا ہے اور یہ اہم عنوانات ابواب میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ ہر ایک باب شریعت کے کسی اہم موضوع سے متعلق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ابواب کی ترتیب کا بھی ایک طریقہ اور معیار مقرر کر دیا گیا۔ ایک مصنف ایمان کے بعد چار بنیادی اصولوں سے کتاب کا آغاز کرتا ہے کیونکہ ایمان کے موضوع پر دینیات کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے۔ طہارت، صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حج کے موضوعات و احکامات بیان کر کے وہ نکاح و طلاق کے مسائل کو زیر بحث لاتا ہے پھر بیع (تجارت) اس کے بعد آداب (معاشرتی رسوم) پر قلم اٹھاتا ہے۔ ان میں کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہر مصنف خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتا ہو، دیگر مسالک کے دلائل کو بیان کرے گا اس کے بعد وہ ایک خاص طرز سے اپنے مسلک کی حقانیت کے دلائل پیش کر کے اپنی بات ختم کرے گا۔ اسی کے ساتھ وہ دیگر مسالک کے موقف کو بھی بیان کرتا رہے گا۔

خلاصہ:

۱۔ وہ تمام فقہی مسالک جو اس سے قبل رائج تھے اس دور میں معدوم ہو گئے اور صرف چار مسالک باقی رہے۔

Marfat.com

۲-اسی دور میں ان مسالک کی حتمی طور پر ترتیب وتدوین عمل میں آئی۔

۳-اپنے مسلک کی حدود سے باہر اجتہاد کا طریقہ ختم کر دیا گیا اور اجتہاد مسلکی کا آغاز ہوا۔

۴-تقابلی فقہ کا دور شروع ہوا لیکن اسے صرف مسلکی موضوعات کے فروغ کے لئے استعمال کیا گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

چھٹا دور:

جمود اور زوال

یہ دور تقریباً چھ صدیوں پر محیط ہے جو ۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد اور آخری عباسی خلیفہ المستعصم کے قتل سے شروع ہو کر انیسویں صدی کے وسط پر ختم ہوتا ہے۔ اسی دور میں خلافت عثمانیہ کا وجود اور عروج بھی ہوا جو اس کے بانی عثمان اول نے ۱۲۹۹ء میں قائم کی پھر مغربی استعمار کی جارحیت نے اسے ختم کر دیا۔

اس دور کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں میں تقلید کا رواج شروع ہوا۔ یعنی وہ کسی مخصوص مسلک کی کورانہ تقلید کرنے لگے اور فرقہ بندی ان کی شناخت بن گئی۔ اس فاسد رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجتہاد بالکل ختم ہو گیا اور فقہی ارتقاء کا عمل مخصوص مسلک کے تنگ دائرہ میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اس دور میں فقہ کی تدوین صرف سابقہ کتب فقہ کی شرح و تعبیر بن کر رہ گئی اور اپنے انفرادی مسلک کو فروغ دینا اس کا مقصد بن گیا۔ اس طرح فقہ کی قوت محرکہ مفقود ہو گئی اور اس کے احکام اس عہد کے مسائل اور تقاضوں کو حل کرنے میں ناکام رہے کیونکہ وہ اب دقیانوسی اور ناقابل عمل ہو گئے تھے۔ اس تشریعی خلا کو پر کرنے کے لئے بعض مغربی قوانین کو بتدریج اسلامی قوانین کی جگہ نافذ کیا جانے لگا کیونکہ یہ اسلامی قوانین ایک مدت سے نافذ العمل نہیں رہے تھے۔ پھر جب مغربی سامراج کو فروغ ہوا اور مسلم سلطنتیں منتشر ہو گئیں تو اسلامی قوانین کو خارج کر کے ان کی جگہ مغربی قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ بعض مصلحین نے جمود و انحطاط کے اس عمل کو روکنے کی کوشش کی اور لوگوں پر زور دیا کہ وہ اسلام اور شریعت کی اصل تعلیمات کی جانب رجوع ہوں۔ لیکن یہ فرقہ بندی آج تک جاری ہے حالانکہ فقہ کی تقابلی تعلیم کو اسلامی مدارس میں فروغ ہوا ہے۔

تقلید کا فروغ:

اس دور کے علماء نے اجتہاد کے تمام طریقوں کو چھوڑ دیا اور باضابطہ ایک فتوی جاری کیا

Marfat.com

جس کا مقصد اجتہاد کے دروازے مستقل طور پر بند کر دینا تھا، اس بارے میں ان کی دلیل یہ تھی کہ ائمہ نے تمام امکانی مسائل پر غور کر کے ان کا حل تجویز کر دیا ہے اور اب کسی مزید اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ (الشریعۃ الاسلامیہ از محمد حسین الذہبی ص ۱۲ مطبوعہ مصر) اس اقدام سے مسلک کے بارے میں ایک نیا نظریہ ابھر کر سامنے آیا کہ کسی شخص کے ایمان اور اسلام کے جواز کے لئے اس کا مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کو ماننا کافی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ عوام اور علماء فقہ دونوں میں یہی ذہن مقبول و معتبر ہو گیا اور یوں خود دین اسلام ان چار فقہی مسالک: حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں محصور اور محدود ہو کر رہ گیا اور ان فقہی مکاتب فکر کو اسلام کا منزل من اللہ مظہر سمجھا جانے لگا۔ ان سب فقہی مسالک کو حتمی طور پر مبنی بر صداقت مساوی اور اہل اسلام کا نمائندہ قرار دیا گیا جبکہ ان میں متعدد اختلافات موجود تھے۔ درحقیقت اس دور میں بعض ایسے علماء بھی موجود تھے جنہوں نے احادیث کی اس طرح تعبیر کی گویا خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ائمہ اور ان کے مسالک کے ظہور پذیر ہونے کی پیش گوئی فرمائی ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان چاروں متداول مسالک سے باہر جانے کی ہر کوشش کو بدعت قرار دیا جاتا تھا اور اگر کوئی شخص جو ان میں سے کسی مسلک کی پیروی سے انکار کرتا اسے مرتد گردانا جاتا تھا۔ بعض انتہائی قدامت پسند علماء فقہ نے تو یہ فتویٰ بھی دیدیا کہ اگر کوئی شخص کسی ایک مخصوص مسلک فقہی کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرلے تو متعلقہ علاقہ کا قاضی اسے سزا بھی دے سکتا ہے۔ حنفی فقہا نے یہ فتویٰ بھی جاری کیا کہ حنفی مسلک کے ماننے والے کی شادی شافعی مسلک کے پیرو سے جائز نہیں ہے۔ (صفۃ صلوٰۃ النبی از علامہ محمد ناصر الدین البانی)

اور پھر بات یہاں تک بڑھی کہ اسلام کے دوسرے بنیادی رکن یعنی صلوٰۃ (نماز) کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رکھا گیا۔ مسلکی تعصب یہاں تک بڑھا کہ ایک مسلک کے ماننے والے دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ جن ممالک یا علاقوں میں مختلف مسالک کے ماننے والے تھے تو انہوں نے اپنے مسلک کی الگ مسجدیں تعمیر کرلیں۔ شام میں آج بھی ایسی مسجدیں پائی جاتی ہیں جہاں سنی مسلمان حنفی اور شافعی مسلک کے پابند ہیں۔ مسجد الحرام یعنی کعبہ میں بھی جو اسلام کی وحدت کا مظہر ہے مختلف مسالک کے نمازیوں کے لئے

Marfat.com

علیحدہ مصلے قائم کردیئے گئے جب نماز کا وقت آتا تو ایک مسلک کا امام اپنے پیروں کو نماز پڑھاتا، اس کے بعد دوسرے مسلک کا امام اپنے ہم مسلک نمازیوں کی امامت کرتا۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ کعبہ کے گرد چاروں فقہی مسالک کے پیرو مسلمانوں کے مصلے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی تک باقی رہے، جب ملک عبدالعزیز آل سعود نے اپنی فوج کے ساتھ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں مکہ فتح کیا اور پھر چاروں مسلکی مصلے ختم کر کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی راہ ہموار کی۔

تقلید کے اسباب:

تقلید اور اجتہاد کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اپنے پیشرو کی رائے اور قول کو ماننا اور اس کی پیروی کرنا بالکل فطری بات ہے اور اسلام کی اولیں تعبیر و تشریح کو من وعن ماننے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کا پیغام آج بھی تحریف سے پاک ہے کیونکہ اسلام کی یہ اولیں تشریح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور سنت پر مبنی ہے جو سماوی ہدایت پر مشتمل ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر زمانہ میرا، پھر میرے بعد کا زمانہ اور پھر اس کے بعد کا زمانہ ہے۔ (مسلم) بہر حال اس دور (خیر القرون) کے افراد بھی ماسوائے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، معصوم عن الخطاء نہیں تھے اس لئے ان کی تشریحات کو بھی کورانہ انداز میں قبول نہیں کیا جانا چاہئے جب تک کہ جرح و تعدیل کے اصول کی میزان پر انہیں جانچا نہ جائے جو کہ موضوع اور صحیح کا معیار ہیں۔ اس کتاب میں تقلید کی جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے اس سے مراد وہ ذہن ہیں جو اپنے متعلقہ مسلک میں غلطیوں کے ادراک کے باوجود اس مسلک کی کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے جو ایسے علمی معیار کے حامل نہیں ہیں جو مشکوک اور مشتبہ امور میں آزادانہ فیصلہ کر سکیں ایسے افراد کے لئے جائز ہے کہ جو کچھ علم انہیں فراہم کیا جاتا ہے اس کی پیروی کریں تاہم اپنے ذہن کے دریچے کھلے رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو روشن خیال علماء پر اعتماد کریں، متعدد عوامل تقلید کی بنیاد بنے۔ یہ مسلک کے داخلی اور خارجی عوامل تھے جو فقہ کے ارتقاء اور فقہاء کے رجحان پر اثر انداز ہوئے کسی ایک سبب کو اس کا بنیادی سبب قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ دیگر

Marfat.com

تمام اسباب کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل وہ چند اسباب ہیں جو فقہ میں جمود کے زیادہ واضح عوامل شمار کیے جاسکتے ہیں:

۱- مکاتب فقہی کی تدوین وتشکیل کی گئی اور ان کی تمام تر جزئیات وتفصیلات باریکی سے مرتب کی گئیں۔ قیاسی فقہ کے تحت پیشتر موجودہ مسائل اور متوقع مسائل کی بابت احکام ضبط تحریر میں لائے گئے۔ اس فرضی اور قیاسی فقہ کے وسیع تر فروغ کے سبب اجتہاد اور نئی فکر کے امکانات تقریباً معدوم ہوگئے۔ اس طرح فقہی مسلک کے اولیں ائمہ وفقہا کی رائے اور اقوال پر انحصار انتہائی حد تک بڑھ گیا۔

۲- خلافت عباسیہ جو اس دعوی کے ساتھ اقتدار میں آئی تھی کہ اسلام کی اصل تعلیمات کو فروغ دے گی، اس کے خلفاء اپنے وزراء کے زیر اثر آ گئے، ان وزراء میں بہت سے شیعہ تھے پھر خلافت طوائف الملو کی کا شکار ہوگئی۔ اس طرح بالواسطہ طور پر جو حکمراں برسر اقتدار آئے انہیں اپنے ذاتی اقتدار سے ہی دلچسپی تھی، انہیں دینی علوم کے فروغ یا اسلامی اصول ومنہج پر حکومت قائم کرنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

۳- خلافت عباسیہ کے انتشار سے جو نئی حکومتیں وجود میں آئیں انہوں نے اپنے رجحان کے مطابق اپنا مسلک رائج کیا۔ مثال کے طور پر مصر میں شافعی مسلک، شام میں مالکی اور ترکی و ہندوستان میں حنفی مسلک کو رواج دیا گیا۔ ہر حکمراں ایسے افراد کو ہی گورنر، ناظم اور قاضی مقرر کرتا تھا جو سرکاری مسلک کے پیروکار ہوتے تھے۔ لہٰذا جو علماء قاضی کا منصب حاصل کرنا چاہتے تھے وہ سرکاری فقہی مسلک کو اپنا لیتے تھے۔

۴- بعض غیر مستند جاہل افراد نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تا کہ وہ مذہب میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کرسکیں۔ اس طرح متعدد کم سواد عالموں نے ایسے فتوے جاری کیے جن سے عوام گمراہ ہوئے۔ اس پر آشوب دور میں بعض معروف علماء نے اجتہاد کے دروازے بند کرنے کی سعی کی تا کہ شریعت کو تحریف سے محفوظ رکھا جاسکے۔ (المدخل ۳۷-۱۳۶)

فقہ کی تدوین:

وہی اسباب جنہوں نے تقلید کے لئے بنیاد فراہم کی وہ اس کا سبب بھی بنے کہ علماء وفقہاء

Marfat.com

نے اپنی تخلیقی سرگرمیوں اور صلاحیتوں کو محض سابقہ تصنیفات و تالیفات کو مرتب کرنے یا ان پر نظرثانی کرنے تک محدود کر دیا۔ فقہ کی اولیں کتابوں کے خلاصے تیار کئے گئے اور ان کی مختصر شائع کی گئیں تاکہ ان کے حفظ کرنے میں آسانی ہو۔ ان میں سے بعض کو منظوم بھی کر دیا گیا۔ اختصار کا یہ عمل اس طرح جاری رہا کہ بالآخر یہ مختصر کتابیں اس دور کے طالبان علم کے لئے چیستاں (پہیلی) بن گئیں۔ پھر علماء متاخرین نے ان مختصرات کی شرحیں لکھنے کا کام شروع کیا۔ پھر ان کے بعد آنے والے علماء نے ان شرحوں کی تفسیر لکھنی شروع کی اور دوسرے علماء نے ان تفسیروں پر حاشیے لکھے۔

اس دور میں اصول فقہ پر کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ ان تصنیفات میں اجتہاد کے صحیح طریقے بیان کئے گئے اور تطبیق کی شرائط کو بھی وضاحت سے بتایا گیا۔ تاہم یہ شرائط اتنی سخت تھیں کہ ان کے تحت نہ صرف فقہائے عصر بلکہ دور اول کے فقہا کو بھی خارج کر دیا گیا جنہوں نے اجتہاد کیا تھا۔

اسی دور میں کچھ کتابیں تقابلی فقہ کے موضوع پر بھی لکھی گئیں۔ جیسا کہ پہلے ادوار میں ہوا تھا۔ مسالک کی آراء اور ان کے دلائل کو جمع کر کے ان کا تنقیدی جائزہ لیا گیا، پھر ان مصنفین نے ان آراء کو جو کسی ایک مخصوص فقہی مسلک کے فقہا نے ظاہر کی تھیں سب سے زیادہ مستند اور معتبر قرار دیا۔

اس دور کے آخری ایام میں خلافت عثمانیہ کے تحت فقہ (قوانین اسلامی) کو بطور قانون مرتب کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس مقصد کے لئے سات بہت بڑے علماء کا ایک بورڈ بنایا گیا اور انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ ۱۸۷۶ء میں یہ کام مکمل ہو گیا اور سلطان کے حکم سے اسے حدود خلافت عثمانیہ میں بطور قانون نافذ کیا گیا اور اسے مجلۃ الاحکام العادلہ کا نام دیا گیا۔ (عصر جدید میں اسلامی فقہ از انور احمد قادری - لاہور) لیکن یہ بظاہر سعی حسنہ بھی فقہی عصبیت کا شکار ہو گئی۔ مذکورہ بالا بورڈ میں جو علماء نامزد کئے گئے وہ سب حنفی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس مجموعہ قانون (کوڈ) میں دیگر فقہی مسلک کی خدمات و افکار کو نظر انداز کر دیا گیا۔

کولمبس اور واسکوڈی گاما کی مہمات کے ساتھ ہی مغربی یوروپ کے ملکوں نے عالمی وسائل اور تجارتی راستوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا، بعد کو مشرقی ایشیاء کے مسلم ممالک کو مغربی

Marfat.com

استعمار نے ہڑپنا شروع کیا۔ اس کا آغاز ۱۶۸۴ء میں جاوا پر ہالینڈ (ڈچ) کے قبضہ سے ہوا۔ جب ۱۶۹۹ء میں ٹرانسلوانیا اور ہنگری کو آسٹریا نے عثمانی اقتدار سے چھین لیا اور روس اور ترکی میں ۷۴-۱۷۶۸ء کے دوران ہونے والی جنگ کے نتیجے میں عثمانیوں کی شکست کے بعد یوروپی علاقے ایک ایک کر کے خلافت عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ (عصر جدید میں فقہ اسلامی ص ۸۵) عثمانیوں کی ہزیمت کا یہ سلسلہ پہلی جنگ عظیم تک جاری رہا اس کے بعد خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے ہو کر پوری سلطنت ختم ہوگئی اور مغربی کالونیوں اور مقبوضہ علاقوں میں تقسیم ہوگئی۔ استعماری غلبہ کے نتیجے کے طور پر مسلم ممالک میں قوانین اسلامی کی جگہ مغربی قوانین کا نفاذ عمل میں آیا۔

اگر چہ کچھ عرصہ قبل مغربی ممالک کے استعماری غلبہ سے یہ ممالک آزاد ہو گئے ہیں لیکن آج بھی اسلامی قانون وہاں نافذ العمل نہیں ہے ماسوائے سعودی عرب کے جہاں فقہ حنبلی کے مطابق قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔ پاکستان میں فقہ حنفی اور ایران جہاں ماضی قریب میں انقلاب آیا فقہ جعفری کا غلبہ ہے۔ (اثنا عشری فقہی مسلک جسے غلط طور پر امام جعفر صادق (متوفی ۷۶۵ء) سے منسوب کیا جاتا ہے)

مصلحین:

اس تمام انحطاط کے باوجود جس کا اوپر ذکر کیا گیا اس دور میں بھی بعض ایسے علماء اور مصلحین پیدا ہوئے جنہوں نے تقلید کی مخالفت کی اور اجتہاد کا پرچم بلند کرنے کا حوصلہ کیا۔ ان مصلحین نے امت کو اسلام کے اصل سرچشمہ کی طرف لوٹنے اور دیگر تمام مآخذ کے مقابلے میں اسلام کے بنیادی مآخذ سے استفادہ کرنے کی تلقین کی۔ ان میں سے بعض مصلحین اور ان کی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

احمد ابن تیمیہ: (۱۳۲۸-۱۲۶۳ء)

اس دور کے سب سے بڑے مصلحین میں تھے کیونکہ انہوں نے جمود کے خلاف آواز بلند کی تھی اس لئے ان کے متعدد ہم عصر علماء نے انہیں مرتد قرار دے کر حکام کو اکسایا اور وہ متعدد بار

Marfat.com

قید کئے گئے۔ ابن تیمیہ بہر حال اپنے عہد کے عظیم ترین عالم تھے۔ انہوں نے پہلے فقہ حنبلی کا مطالعہ کیا لیکن اس مطالعہ کو محض یہیں تک محدود نہیں رکھا۔ انہوں نے اسلام کے بنیادی سرچشموں کا گہرائی سے مطالعہ کیا جو اسلامی قوانین کی اساس ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے تمام متداول علوم اسلامی میں کامل مہارت حاصل کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان فرقوں کے افکار و نظریات کا بھی مطالعہ کیا جو اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ اسی کے ساتھ انہوں نے عیسائیوں یہودیوں اور دیگر مذاہب کے صحیفوں اور دیگر مذہبی کتب پر بھی گہرائی سے نظر ڈالی۔ انہوں نے ان مذاہب کے مختلف فرقوں کے افکار و عقائد کو سمجھا اور پھر ان کے بارے میں بھرپور تنقیدی مقالات لکھے۔ امام ابن تیمیہ نے منگولوں کے خلاف جہاد بھی کیا جنہوں نے خلافت عباسیہ کے مشرقی اور شمالی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور مصر نیز شمالی افریقہ کی جانب جارحانہ انداز سے بڑھ رہے تھے۔ ابن تیمیہؒ کے تلامذہ بھی اپنے عہد کے عظیم علماء میں سے تھے انہوں نے اجتہاد اور دین کے اصل مآخذ کی طرف رجعت کا پرچم بلند رکھا جو ابن تیمیہ نے اٹھایا تھا اور پھر اسے آئندہ نسلوں تک پہنچایا، ان میں ابن القیم کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے جو فقہ اور حدیث کے نہایت ممتاز اور معروف عالم تھے۔ ابن القیم کے علاوہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد الذہبی احادیث کی تنقیح کے عظیم عالم تھے۔ تیسرے شاگرد ابن کثیر تھے جو تفسیر، تاریخ اور حدیث کے امام مانے جاتے ہیں۔

محمد ابن علی الشوکانی (۱۸۳۵-۱۷۵۷ء)

یمن کے شہر شوکان کے قریب کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی اپنے دور کے عظیم مصلح تھے۔ الشوکانی نے زیدی فقہ کا مطالعہ کیا جو کہ ایک اہم شیعی فقہی مسلک ہے۔ اور ممتاز علماء میں ان کا شمار ہونے لگا۔ پھر انہوں نے احادیث کا دقت نظر سے مطالعہ کیا اور اپنے عہد کے عظیم محدث تسلیم کئے گئے۔ اس مرحلہ پر انہوں نے اپنے آپ کو مسلکی بندشوں سے آزاد کر لیا اور اجتہا کو آزادانہ بروئے کار لانے لگے۔ انہوں نے فقہ اور اصول فقہ پر متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں تمام مسالک کے تحت زیر بحث موضوعات کو شامل کیا اور پھر انتہائی مستند شواہد اور معقول دلائل کی بنیاد پر ان کا حل پیش کیا۔ امام شوکانی نے یہ موقف اختیار کیا کہ تقلید حرام ہے اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں۔ مثلاً القول المفید فی حکم التقلید۔ چنانچہ انہیں بھی اپنے ہم عصر

Marfat.com

علماء کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ (محمد علی الشوکانی از نیل الاوطار ج ا ص ۶-۳)

ایک اور عظیم اور نامور مصلح اور عالم احمد بن عبدالرحیم تھے جنہیں شاہ ولی اللہ الدہلوی (۱۷۶۲ء-۱۷۰۳) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہ برصغیر ہندوستان میں پیدا ہوئے جہاں تقلید کا غالباً سب سے زیادہ زور تھا۔ تمام متداول علوم اسلامی کے حصول کے بعد انہوں نے اجتہاد کو پھر شروع کرنے اور مسلکی اتحاد کی تلقین کی۔ اسلامی اصولوں کے جدید تجزیہ اور یہ پتا لگانے کی سعی میں کہ فقہی مسالک کس سند پر اپنے ضوابط کی اساس رکھتے ہیں شاہ ولی اللہ نے حدیث کے مطالعہ کو تقویت عطا کی۔ اگرچہ وہ اس حد تک نہیں گئے کہ عصری مسلکی مکاتب کو مسترد کر دیں تاہم انہوں نے یہ تعلیم دی کہ ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس فقہی مسلک سے تعلق رکھتا ہو اس کے برخلاف کوئی فیصلہ کرے جب کہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ حدیث اس کے موقف (فیصلہ) کی تائید کرتی ہے۔

(مشرق اوسط میں مذہب۔ از آر جے آربری۔ ص ۲۹-۱۲۸ ج ۲)

لیکن فساد و جمود کی یہ صورت حال آج بھی جاری ہے حالانکہ علامہ جمال الدین افغانی (۱۸۹۷-۱۸۳۹ء) نے پورے عالم اسلام میں طولانی سفر کر کے امت کو اصلاح کی تلقین کی۔ جمال الدین افغانی نے ہندوستان مکہ اور قسطنطنیہ کا سفر کیا اور آخر میں مصر میں مقیم ہوئے آزادانہ سیاسی مذہبی اور سائنسی افکار کے فروغ پر زور دیا اور تقلید کو مسترد کر دیا اور حکمراں طبقہ میں بدعنوانیوں کی مذمت کی۔ جمال الدین افغانی نے جامعہ ازہر میں تدریس کے دوران ان افکار و نظریات کی اشاعت کی اور ان کے بہت سے شاگردان کی انقلابی فکر سے متاثر ہوئے (جامعہ ازہر عالم اسلامی کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے اسے فاطمی خلفاء مصر نے جو شیعہ تھے ۳۶۱ھ-۹۷۲ء میں قائم کیا تھا) بدقسمتی سے جمال الدین افغانی کے بعض افکار انتہا پسندانہ تھے مثلاً وہ انسانی ذہن اور اس کے منطقی استدلال کو وحی کے مساوی درجہ دیتے تھے پھر جب ماسونی تحریک سے ان کی وابستگی ہو گئی جو کہ اس وقت مشرق وسطیٰ میں اپنی شاخیں قائم کر رہی تھی تو خواص ان کے عزائم کے بارے میں اور بھی شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے۔

(اتجاح الوطفیہ فی ادب العربی المعاصر ج ا ص ۱۵۳ از محمد حسین)

Marfat.com

محمد عبدہ: (۱۹۰۵-۱۸۴۹ء)

علامہ محمد عبدہ جمال الدین افغانی کے ممتاز ترین تلامذہ میں سے تھے۔ افغانی اور ابن تیمیہ کے افکار سے متاثر ہو کر محمد عبدہ نے اجتہاد کا پرچم بلند کیا۔ تقلید اور اس کے پابند افراد کو باضابطہ طور پر نشانہ تنقید بنایا لیکن محمد عبدہ جدید افکار و خیالات (ماڈرن ازم) کی طرف غیر معتدل طور پر راغب تھے اس لئے بعض فتاویٰ اور تشریح و تعبیر میں وہ انحراف اور لغزش کا شکار ہو گئے مثلاً اپنی تفسیر قرآن میں انہوں نے معجزات نبوی نیز وہ معجزے بھی جو اللہ تعالیٰ نے فطری قوتوں کے ذریعہ ظاہر کئے۔ ان سب کی معذرت آمیز لہجہ میں تعبیر و تفسیر کرنے کی کوشش کی مثلاً کعبہ پر حملہ کے وقت ابرہہ اور اس کے ہاتھوں پر پرندوں (ابابیل) نے جو کنکریاں برسائیں محمد عبدہ کے نزدیک وہ ایسے آسمانی جراثیم تھے جنہوں نے ابرہہ اور اس کی فوج میں بیماریاں پھیلا دیں۔ اسی طرح انہوں نے ایک فتویٰ کے ذریعہ مسلمانوں کو ایسی تجارت میں شریک ہونے کی اجازت دی جس کی اساس سود (ربا) پر ہے۔ اپنے اس فتویٰ کی بنیاد انہوں نے فقہ کے اس اصول کو بتایا کہ شدید ضرورت کے تحت حرام شئ بھی حلال ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جان جانے یا اعضاء کے ضائع ہونے کا خطرہ درپیش ہو۔ ظاہر ہے تجارت میں ایسا خطرہ درپیش نہیں ہوتا۔ محمد عبدہ کے ممتاز شاگرد رشید رضا (متوفی: ۱۹۳۵) نے تقلید کے خلاف اپنے استاد کی مہم کو جاری رکھا لیکن اپنے استاد کے اکثر انتہا پسندانہ افکار کو مسترد کر دیا مگر محمد عبدہ کے دیگر شاگرد انتہا پسندانہ جدیدیت کی مہم کے نقیب بنے رہے بلکہ ان میں سے بعض استاد سے بھی بڑھ کر شذوذ و انحراف کے مرتکب ہوئے۔

مثال کے طور پر ان کے شاگرد قاسم امین (متوفی ۱۹۰۸ء) نے سب سے پہلے تعدد ازدواج، اسلام میں طلاق کے آسان طریقہ اور حجاب کو نشانہ تنقید بنایا۔ بیسویں صدی کے دیگر مصلحین مثلاً حسن البنا (متوفی ۱۹۴۹) بانی اخوان المسلمین، ابو الاعلیٰ مودودی (۱۹۷۹-۱۹۰۳ء) بانی جماعت اسلامی اور عصر جدید میں اس دور کے سب سے بڑے محدث علامہ محمد ناصر الدین البانی نے احیاء دین کا علم بلند کیا اور مسلکی اتحاد کے لئے کوشش کی ہیں۔ (حسن البنا کے ایک شاگرد السید صادق نے اپنی تصنیف فقہ السنہ میں اس تحریک کا جواب دینے کی

Marfat.com

کوشش کی ہے) لیکن آج بھی بیشتر علماء مسلکی تفریق میں جکڑے ہوئے ہیں، اپنی اس روش سے وہ امت مسلمہ میں مسلکی تفریق کو دوام عطا کر رہے ہیں، مستقبل قریب میں اس تفریق کے ختم ہونے کے آثار نظر نہیں آتے کیونکہ عالم اسلام کے تمام دینی تعلیمی ادارے، باستثنائے چند اسلام کے فقہی مسالک کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ تعلیمی اداروں میں فقہ کے تقابلی مطالعہ کو ایک مستقل درجہ دیدیا گیا ہے اور حدیث کی تعلیم اس سے کہیں زیادہ مقبول ہے جتنی ایک صدی قبل تھی۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ان دونوں حرکی اور احیائی شعبہ علوم اسلامی کی تعلیم بھی فقہی مسالک کے طریقہ کے مطابق دی جاتی ہے۔ ہر یونیورسٹی (جامعہ) اس فقہی مسلک کی پابندی کرتی ہے جس ملک میں وہ (جامعہ) واقع ہے اور اس طرح قانون اسلامی کے یہ فقہی مآخذ (جنہیں شریعہ یا اصول دین کہا جاتا ہے) مملکت کے فقہی مسلک کے مطابق پڑھائے جاتے ہیں (اس سلسلے میں استثناء جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ہے جہاں (۸۰) فیصد طلبہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں سے آتے ہیں اور طلبہ کی سطح پر فقہی تعلیم میں کسی مسلک کو ترجیح نہیں دی جاتی) ایسا مقامی انتظامیہ کی ضرورتوں کے مدنظر کیا جاتا ہے جسے ایسے جج (قاضی) مطلوب ہوتے ہیں جو سرکاری فقہی مسلک کے مطابق کام کریں۔ مثال کے طور پر جامعہ الازہر مصر جو عالم اسلام کا سب سے موقر تعلیمی ادارہ ہے وہاں تمام فقہی مسالک کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن رجسٹریشن (داخلہ) کے وقت طلبہ کو اپنے فقہی مسلک کا اعلان کرنا ہوتا ہے اور ایک ہی مسلک کے طلبہ کو ایک ہی درجہ میں رکھا جاتا ہے۔ تعلیم کے آغاز سے ڈگری (گریجویشن) کی سطح تک ان کے اساتذہ ایک ہی مسلک کے ہوتے ہیں اور دیگر مسالک کی تعلیم محض برائے نام دی جاتی ہے۔ حدیث کی اہم اور معروف کتابوں کی تعلیم صرف حصول برکت کے جذبہ سے ہوتی ہے نہ کہ صداقت کے ادراک کے لئے۔ جب دوران تعلیم فقہ کی متصادم آراء سامنے آئیں تو اس مسلکی تعلیمی ادارہ کا معلم ان کا سطحی انداز میں جائزہ لے کر انہیں مسترد کر دیتا ہے اور اپنے مسلک کی روشنی میں استدلال پیش کرتا ہے جو وہ اپنے مسلک کے دفاع میں اختراع کرتا ہے۔

پس دیگر مسلک کے موقف کی مستحکم دلائل وشواہد سے تائید کیوں نہ ہوتی ہو لیکن اس

Marfat.com

مخصوص مسلک سے تعلق رکھنے والا معلم ان پر اس سنجیدہ انداز میں غور نہیں کرتا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اسی طرح اگر تدریس حدیث کے دوران کوئی ایسی حدیث سامنے آجائے جو اس مخصوص مسلک کے مخالف ہو تو یا تو معلم اس کی اس انداز سے شرح کرے گا جو اس مسلک کے موقف کی تائید کرے یا پھر عیاری سے اس کی وضاحت کر کے آگے بڑھ جائے گا لیکن اگر دونوں میں سے کوئی بھی صورت حال کو نبھانا ممکن نہ ہو تو اپنے مسلک کی تائید میں متعدد ضعیف احادیث بیان کر دی جاتی ہیں اور اس بات کا قطعی بیان نہیں کیا جاتا کہ یہ احادیث ضعیف ہیں۔ اس طرح یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس مسلک کی تائید میں بکثرت احادیث موجود ہیں اور طلبہ قائل ہو جاتے ہیں کہ ان کے مسلک کا موقف درست ہے۔

خلاصہ:

۱- اجتہاد کو اس کی تمام صورتوں پہلوؤں کے ساتھ معدوم کر دیا گیا اور تقلید کا دوز دورہ شروع ہوا یعنی ایک مسلمان کے لئے یہ لازم کر دیا گیا کہ چاروں فقہی مسالک میں سے کسی ایک سے وابستہ ہو جائے۔

۲- یہ چاروں فقہی مذاہب ایک دوسرے سے متصادم تھے اور امت مسلمہ عملی طور پر چار فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔

۳- استحکام کے اس دور میں علماء نے پہلے دور کی تصنیفات کی شرح اور حاشیے لکھنے تک اپنی صلاحیتوں کو محدود کر دیا اس کے ذریعہ یہ علماء اپنے مسلک کے موقف کی تائید پیش کرتے تھے۔

۴- اس دور میں بعض علماء و مصلحین نے فقہ کی اصل اور حرکی روح کا احیاء کرنے کی سعی مسعود کی لیکن ان کی یہ کوشش اس فقہی عصبیت کا مقابلہ نہیں کر سکی جو مسلم معاشرہ، میں گہرائی سے جڑ پکڑ چکی تھی۔

۵- اسلامی فقہ کو قانون کی منضبط شکل دینے کی کوشش کی گئی لیکن مسلکی اختلافات کے سبب یہ کوشش پوری طرح موثر نہ ہو سکی۔ پھر مغربی استعمار کی آمد سے اسلامی قوانین کی جگہ مغربی قوانین مسلط کر دئے گئے۔

Marfat.com

۶-حالیہ دور میں اصلاحی تحریکوں کے تحت مسلکی عصبیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی اور جدید تعلیمی اداروں میں فقہی مسالک کے تقابلی مطالعہ کو بھی فروغ ہوا۔

۷-فقہی جمود اور انحطاط اور مسلکی عصبیت کا یہ رجحان آج بھی باقی اور جاری ہے۔

۹-ائمہ اور تقلید:

سابقہ ابواب میں ہم نے فقہ اور فقہی مذاہب کے تاریخی ارتقاء پر بحث کی ان کے باہمی تعلق اور عمومی اور خصوصی طور پر ان کی یہ کاوش کہ اسلام کو اس لحاظ سے سمجھا جائے جیسا کہ قرآن وسنت میں اس کی تعبیر وتشریح کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ فقہ (قانون اسلامی) اور فقہی مذہب (فکر اسلامی کے مکاتب) کا وجود ایک لازمی نوعیت کا اضافہ ہے جو انسان کے حقوق اور ذمہ داریوں کو اللہ تعالیٰ اور دیگر انسانوں کے تعلق کے تناظر میں نازل شدہ اصول و احکام سماوی کی تکمیل کرتا ہے۔ قرآن وسنت کی اسی مخصوص تعبیر وتفسیر کے اطلاق کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ کی مرضی کو احوال ومقام کی نسبت سے لوگوں پر ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوۃ ذہنی وفکری کو بروئے کار لا کر انسان خصوصاً علماء ایسی عمومی تعبیر و تشریح پیش کر سکتے ہیں جو خصوصی نوعیت کے مسائل کی تفہیم کو آسان بنا دے۔ اس سے فقہ اور فقہی مذاہب کی معنویت ظاہر ہوتی ہے اور اسی میں اسلام کے اندر فقہ اور فقہی مذاہب کی اہمیت کا راز مضمر ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہر دور اور ہر ملک کے باشندوں کی خاطر نازل کیا گیا۔ ہر دور اور ملک کے علماء کو یہ فریضہ سونپا گیا کہ وہ ہر دور میں نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے اصول وقواعد مرتب کریں۔ اس تعبیر وتشریح کا انحصار ان علماء کی فطری ذہنی صلاحیت اور ان کو دستیاب ہونے والی شہادتوں پر تھا جو اس مسئلہ کے حل کی بابت انہیں دستیاب ہوتی تھیں۔ اسی صلاحیت کے تناسب اور انہی شہادتوں کے اعتبار کی روشنی میں وہ کوئی فتویٰ صادر کرتے تھے۔ بعض علماء کو ان مسائل کے حل میں ثقافتی اختلافات سے پیدا ہونے والی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ بعض کو اپنے دیگر ہم عصر علماء سے مشورہ کرنے کی سہولت حاصل نہیں ہو سکی کیونکہ وہ دیگر علاقوں یا ممالک میں مقیم تھے اور رابطہ کی

Marfat.com

آسانیاں میسر نہیں تھیں۔ لہٰذا ہر علاقے اور ملک میں اختلاف رائے کا ظہور ہوا ان متعدد دشواریوں کے باوجود صدر اول کے علماء نے اپنی خداداد فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کے احکامات و ارشادات کی تعبیر و تفسیر پیش کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ اپنے رب اور بندگان رب کے تئیں اپنی دینی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ کیونکہ یہ علماء اسلامی خلافت کے مختلف ممالک میں مقیم تھے اس لئے وہ مختلف فقہی مسالک کے بانی بن گئے، اس سے خلافت اسلامیہ میں اسلامی قوانین کے ارتقاء میں ایک ہی دور میں کثرت آراء کا رواج ہوا۔ لہٰذا تاریخی اعتبار سے ایک سے زیادہ فقہی مذاہب کو فروغ ہونا لازمی تھا۔ جیسے جیسے متعدد فقہی مذاہب کا فروغ ہوا اور ترسیل و روابط کی آسانیاں فراہم ہوئیں اس کے ساتھ دیگر عوامل بھی اثر انداز ہوئے تو اختلافات اور تردید و ابطال کی باہمی کشمکش بھی شروع ہوگئی۔ تاہم جب فقہاء نے جستجوئے صدق کو اپنا مطمح نظر سمجھا اور مسلکی عصبیت سے متاثر نہیں ہوئے، نہ ذاتی اقتدار اور اعزاز کو اپنا مقصد بنایا اس وقت تک اسلام کی سچی روح ان کے فقہی مذاہب میں تابندہ رہی۔ ان حالات میں فقہا کو اپنی رائے کے مقابلہ میں کسی دوسرے فقیہ کے نظریات کو قبول کرنے میں کوئی تردد نہ ہوتا تھا، جب وہ دیکھتے تھے کہ وہ رائے کتاب و سنت کی روح اور مفہوم سے زیادہ قریب ہے بالفاظ دیگر حق و صداقت کی جستجو کا یہ جذبہ اس وقت تک برقرار رہا جب تک کہ بعض فقہاء کے وجود پر مسلکی عصبیت اور ذاتی اعزاز و اقتدار کا جذبہ غالب نہیں آ گیا۔ اس طرح کورانہ تقلید کا دور شروع ہوا اور اجتہاد کے دروازے بند کر دئے گئے، عوام میں مسلکی عصبیت عام ہوگئی اور بہت سے فقہاء نے بھی تحقیق و جستجو کی راہ ترک کر دی، چنانچہ وہ چار فقہی مذاہب جو اس وقت موثر تھے اور آپس میں اختلاف اور تضاد بھی نمایاں تھا انہیں خطا و نسیان سے پاک سمجھ لیا گیا اور اس غیر اسلامی انداز فکر کی تائید میں موضوع احادیث پیش کی جانے لگیں۔ فکر و عقیدہ کے اس انحطاط کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر زمانہ میں اصلاحی تحریکیں برپا ہوتی رہی ہیں۔ بعض نے متفرق فقہی مذاہب کو یکجا کرنے کا مشورہ دیا، بعض نے سرے سے فقہی مذاہب کی افادیت سے ہی انکار کر دیا۔ اول الذکر موقف معقول ہے جبکہ مؤخر الذکر انتہا پسندانہ اور مبتدعانہ ہے کیونکہ یہ فقہ کی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ قوانین کی تعبیر و تفسیر کے لئے

Marfat.com

قرآن وسنت کے تکملہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ان سے قرآن وسنت کے احکام کی صحیح بہتر اور معتبر تفہیم ہوسکتی ہے۔ سابقہ ابواب میں فقہ کے تاریخی ارتقاء اور فقہی مذاہب کے فروغ کی جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے ان سے ظاہر ہے کہ ایک دور ایسا بھی آیا جب مختلف فقہی مذاہب کے درمیان اختلافات نے وہ شدت اختیار کر لی کہ اس غلو سے مسلکی عصبیت نے انتہائی فروغ پایا۔ فقہا نے اجتہاد سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور امت پر چاروں فقہی مذاہب میں سے کسی ایک کی پابندی کو لازم قرار دیدیا اور کورانہ تقلید کی روایت عام ہوگئی۔ لیکن وہ ائمہ جن کی طرف یہ چاروں فقہی مذاہب منسوب کئے جاتے ہیں انہوں نے اختلافات کو اہمیت دینے کی مخالفت کی اور تقلید خواہ وہ ان کے متعلقین ومعتقدین میں ہو یا عوام میں اسے مسترد کر دیا لیکن اب بھی بعض لوگ اس فکر کے حامل ہیں کہ اگر کوئی ایسی صحیح حدیث پیش کی جائے جو ان کے امام کی رائے کو مسترد کرتی ہو تو ان کے نزدیک بے ادبی ہے جو کفر کی حد تک لے جاتی ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے امام نے فتوی دینے میں غلطی کی۔ لیکن اسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس قسم کا موقف خود ان کے امام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر امام کی رائے کو ترجیح دینا ایک ایسا عمل ہے جو شرک یعنی شرک فی توحید الاتباع یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو ان غیر مشروط اتباع میں شریک کرنا۔ کیونکہ جب ہم قبول اسلام کے وقت کلمہ لا الـٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھتے ہیں تو ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ محمد الرسول اللہ کی اتباع غیر مشروط ہے کیونکہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہی اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ممکن ہے۔

کیونکہ آج کل بہت سے مسلمان ان حالات وشرائط سے باخبر نہیں ہیں جو ان کے ائمہ متقدمین کے عہد میں تھے اور آج ان کے فقہی مسلک کی کیا صورت ہے لہٰذا یہ مناسب ہوگا کہ تقلید کے بارے میں ان ائمہ اور ان کے تلامذہ نے جو کچھ کہا اس پر ایک گہری نظر ڈالی جائے ان کے یہ افکار ان کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (۷۶۷-۷۰۲ء)

امام ابوحنیفہ اپنے تلامذہ کی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کی رائے کو ضبط تحریر

Marfat.com

میں لائیں کیونکہ ان کی رائے قیاس پر مبنی ہوتی تھی۔ بہر حال انہوں نے ان آراء کو اس سے مستثنیٰ کر دیا تھا جو ان کے تلامذہ کے درمیان غور و خوض اور بحث و مباحثہ کے بعد اجماع کے طور پر ابھر کر سامنے آتی تھیں۔ امام ابو یوسف نے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک دن مجھ سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ہر اس بات کو جو مجھ سے سنو اسے مت لکھا کرو کیونکہ آج میں ایک بات کہتا ہوں دوسرے دن اس سے رجوع کر لیتا ہوں، پھر ایک دن کوئی رائے قائم کرتا ہوں پھر اسے مسترد کر دیتا ہوں۔ (التاریخ از ابن معین میں اسے عباس اور الدوری نے نقل کیا ہے) امام (ابو حنیفہ) کے اس طرز فکر نے ان کے تلامذہ کو کورانہ تقلید سے باز رکھا اور انہیں اپنی رائے پر اعتماد کرنے اور دوسروں کی رائے نیز خود اپنی رائے کے احترام کا شعور عطا کیا۔

امام ابو حنیفہ نے اپنی رائے کی کورانہ تقلید کے بارے میں کئی بار سخت رائے کا اظہار کیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے تلامذہ کی رائے کی تقلید کو بھی ناپسند کیا۔ انہوں نے اپنی اور شاگردوں کی رائے کی تقلید کرنے یا اس رائے کی بنیاد پر فتویٰ دینے کی سختی سے ممانعت کی جب تک کہ شخص مذکور کو ان شہادتوں مراجع و مصادر سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ ہو جن پر انہوں نے یا ان کے تلامذہ نے اپنی رائے کو بنیاد بنایا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ایک شاگرد ظفر نے ان کا یہ قول بیان کیا کہ کوئی شخص جو میرے دلائل اور شہادتوں سے واقف نہیں ہے اسے میرے قول یا تحریر کی بنیاد پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ ہم انسان ہیں ایک دن کوئی بات کہتے ہیں دوسرے دن اسے مسترد کر دیتے ہیں۔ (الانتقاد فی فضائل الصلحاء ائمہ والفقہا علامہ ابن عبدالبر)

امام ابو حنیفہ ہمیشہ اس قسم کی تقلید کے اندیشے سے آگاہ رہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے تلامذہ اور ان کے لئے جو ان کے افکار اور آراء کو اپنا مطمح نظر بنائیں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ صحیح اور غلط کی بابت فیصلہ کرنے کا معیار صرف قرآن و سنت ہے جو بات قرآن و سنت کے مطابق ہے وہ درست ہے اور جو اس معیار پر پوری نہیں اترتی وہ غلط اور باطل ہے۔ ان کے شاگرد محمد ابن الحسن نے بیان کیا کہ امام (ابو حنیفہ) نے فرمایا اگر میری رائے قرآن مجید یا سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو اسے مسترد کر دو۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ انہوں نے تقلید کا اصول بتایا کہ اگر کوئی اپنے فقہی مذہب کی تقلید کرنا چاہتا ہو تو اسے صحیح حدیث کو

Marfat.com

قبول کرنا چاہئے۔ امام ابن عبدالبر نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ (ابن عابدین۔ حاشیہ امام مالک ابن انس ۸۰۱-۷۱۷ء)

امام مالک ابن انس (۸۰۱-۷۱۷ء)

امام مالک کبھی اپنی رائے میں تبدیلی کرنے میں کوئی تذبذب محسوس نہیں کرتے تھے خواہ یہ رائے انہوں نے مجمع عام میں ہی کیوں نہ پیش کی ہو بشرطیکہ مستند اور معتبر ذرائع سے انہیں اس کی شہادت مل جائے۔ ان کے ایک ممتاز تلمیذ ابن وہب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے وضو کے دوران پاؤں کی انگلیوں کے خلال کی بابت سوال کیا اس پر امام نے فرمایا لوگوں کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب امام کے پاس سے تلامذہ چلے گئے تب میں نے ان سے عرض کیا کہ اس سلسلے میں ایک حدیث ہے انہوں نے اس کے بارے میں پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ اللیث بن سعدؓ ابن احیار اور عمرو بن الحارث نے المستورد ابن شیداد القریشی سے روایت کیا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کو رگڑ رہے تھے امام مالک نے کہا بلاشبہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جسے میں نے پہلے نہیں سنا تھا بعد کو جب لوگ امام مالک سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان دھونے کی بابت پوچھتے تو آپ تاکید فرماتے کہ ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ (ابن ابی حاتم) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بھی امام ابوحنیفہ کی طرح صحیح حدیث پر عمل ہی تھا۔

امام مالک اس بات پر زور دیتے تھے کہ ان کی رائے میں غلطی کا احتمال ہوسکتا ہے اور ان کی وہی رائے قبول کی جانی چاہئے جو قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہو۔

ابن عبدالبر نے بیان کیا کہ امام مالک نے ایک دفعہ فرمایا کہ بلاشبہ میں ایک انسان ہوں میں غلطی کرتا ہوں پھر احساس ہونے پر اسے درست بھی کر لیتا ہوں۔ لہٰذا میری رائے کا اچھی طرح تنقیح وتجزیہ کرو جو کچھ قرآن وحدیث کے مطابق ہو اسے قبول کرلو اور جو اس کے مطابق نہ ہو اسے رد کردو۔ (جامع البیان العلم، قاہرہ جلد۲ ص ۳۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عظیم امام کے نزدیک قرآن وسنت ہی مدار عمل تھے اور وہ اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے اور نہ یہ پسند کرتے تھے کہ ان رائے پر سختی سے عمل کیا جائے۔

Marfat.com

جب عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (۷۵۴-۷۷۵ مدت خلافت) اور خلیفہ ہارون الرشید (۷۸۶-۸۰۹) نے امام سے درخواست کی کہ وہ اپنے مجموعہ احادیث الموطاء کو خلافت کا سرکاری فقہی مذہب کے طور پر نافذ کرنے کی اجازت دیں تو امام مالک نے دونوں مرتبہ اجازت دینے سے انکار کر دیا اور دلیل پیش کی کہ صحابہ کرام متعدد اطراف و ممالک میں پھیل گئے تھے اور ممکن ہے ان کی کوئی حدیث میرے مجموعہ میں شامل نہ ہوئی ہو۔ اس طرح امام مالک نے اپنے فقہی مسلک کو اسلامی ریاست کا سرکاری مسلک نہیں بننے دیا اور اپنے اس عمل سے یہ بات ثابت کر دی کہ دوسروں کی رائے پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

امام الشافعی (۷۶۷-۸۲۰ء)

امام شافعی نے بھی اپنے استاد امام مالک کی طرح ہی واضح طور پر یہ بتایا کہ اس وقت کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اسے ان تمام احادیث کا علم ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں یا ان تمام احادیث کو یاد کر لینا جسے اس شخص نے سنا ہے۔ لہٰذا اس صورت حال میں غلط فیصلے کئے جانے کا امکان ہے۔ (اس وقت تک مستند احادیث کے مجموعے بخاری مسلم اور دیگر کتب منظر عام پر نہیں آئی تھیں (یہ ۹ ویں صدی عیسوی کے آخر میں آئیں) لہٰذا ان حالات میں صحیح اور غلط کے درمیان امتیاز کرنے کا بہترین ذریعہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل ہے معروف محدث حاکم نے امام شافعی کے ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا اس میں امام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنی ہو اور پھر وہ اس کے ذہن سے محو نہ ہو گئی ہو یا کوئی حدیث اس تک نہ پہنچی ہو لہٰذا میں نے جو فتوے دیے یا جو بنیادی اصول تجویز کئے ان میں سے بعض ایسی باتیں ہو سکتی ہیں جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہ ہوں۔ لہٰذا اصل فتویٰ وہی ہے جو حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو اور وہی میرا مذہب اور موقف ہے۔ (تاریخ دمشق کبیر۔ ابن عساکر) سنت اور ذاتی رائے کے بارے میں بھی امام شافعی نے ایک اہم نکتہ پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا میرے عہد کے مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اگر اسے کوئی صحیح حدیث مل جائے تو پھر اس پر لازم ہے کہ کسی اور شخص کے قول کو اس پر ترجیح نہ دے۔ (اعلام الموقعین امام ابن القیم) امام

Marfat.com

شافعی کے اس قول سے تقلید پر براہ راست ضرب پڑتی ہے جس میں سنت کے مقابلے میں اپنے مذہب (فقہی مسلک) کو ترجیح دینا ایک بنیادی اصول ہے۔

الحاکم امام شافعی سے بھی وہی قول نقل کیا ہے جو امام ابو حنیفہ نے صحیح حدیث اور مذہب (فقہی مسلک) کے بارے میں کہا تھا "اگر صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ امام عالی مقام کا یہ غیر مشروط موقف اور مسلک تھا اپنے قیام بغداد کے دوران امام نے ایک کتاب الحجہ کے نام سے مرتب کی جوان کے مذہب کا خلاصہ ہے پھر اس سے رجوع کر کے انہوں نے ایک نئی کتاب الام کے نام سے تالیف کی جوان کے اس مذہب کو ظاہر کرتی ہے جو انہوں نے مصر کے سفر کے بعد اختیار کیا۔ ان کا یہ موقف امام اللیث ابن سعد کے افکار وعقائد سے افادہ کے بعد سامنے آیا۔

امام احمد ابن حنبل (۷۷۸-۸۵۵ء)

امام احمد ابن حنبل نے بھی اپنے استاد امام شافعی اور دیگر ائمہ کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے اپنے تلانذہ میں اس جذبہ کی تخم ریزی کی کہ وہ حدیث کے مقابلے میں کسی دیگر شخص (امام) کی رائے کو اہمیت نہ دیں۔ اس طرح انہوں نے اسلام کے سرچشمہ کے لئے احترام و عقیدت اور وابستگی کا گہرا جذبہ پیدا کیا۔ لیکن چونکہ پہلے اماموں کے معتقدین میں تقلید جڑ پکڑنے لگی تھی اس لئے امام احمد کو زیادہ سخت رویہ اختیار کرنا پڑا۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے شاگردوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی کہ وہ ان کے اقوال نقل کریں لہٰذا امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کے عہد میں یہ فقہی مسلک مرتب نہیں ہوا تھا۔

تقلید کے رد میں امام احمد بن حنبل کا موقف بہت واضح تھا جیسا کہ ان کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے جو امام ابن القیم نے نقل کیا ہے۔ میرے یا امام شافعی، امام مالک، اوزاعی وغیرہ کے اقوال کی کورانہ تقلید نہ کرو تم اپنے فتوی کی بنیاد اسی مصدر (قرآن وسنت) پر رکھو جس پر وہ (ائمہ) انحصار کرتے تھے۔

اسی طرح امام کا ایک اور قول ہے جسے ابن عبد البر نے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا اوزاعی مالک اور ابو حنیفہ کی رائے محض ان کی رائے ہے اور میرے نزدیک یہ سب برابر ہیں لیکن صحیح اور

Marfat.com

غلط کے جانچنے کا اصل معیار صرف حدیث ہے۔ جامع بیان العلم، ج ۲ص ۱۴۹) شخصی رائے کے مقابلے میں حدیث کو ترجیح دینے کا امام احمد کا یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ وہ ضعیف حدیث کو بھی کسی فقیہ کی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔ حدیث نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم سے امام احمد کا شغف مثالی تھا انہوں نے اپنی المسند الکبیر میں ۳۰ ہزار سے زیادہ حدیثیں جمع کیں اوران لوگوں کو تنبیہ کی جو حدیث سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ابن الجوزی نے امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کیا وہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام اور عامۃ المسلمین کو حکم دیا تھا کہ مجھ سے جو کچھ سنو اسے دوسروں تک پہنچاؤ خواہ وہ (قرآن مجید کی) ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری نے اسے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے) اس طرح ہدایت ربانی کی تبلیغ واشاعت کا یہ عمل قیامت تک جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد ہر اس چیز کو سختی سے مسترد کر دیتے تھے جو موجودہ اور آیندہ نسلوں تک ہدایت ربانی کی ترسیل میں حائل ہو سکتی تھیں۔

ائمہ کے تلامذہ:

ان عالی مرتبت آئمہ نے اپنے شاگردوں کو کورانہ تقلید کے خلاف متنبہ کیا اس لئے فقہا متقدمین جنہیں صحیح حدیث مل جاتی تھی وہ ائمہ کے قول کو مسترد کرنے میں کوئی تردد نہیں کرتے تھے۔ امام ابو یوسف اور محمد ابن الحسن نے اپنے امام ابو حنیفہ سے تقریباً ایک تہائی مسائل میں اختلاف کیا۔ (الحاشیہ ج ۱ص ۶۲) اسی طرح المزنی اور دیگر تلامذہ نے امام شافعی سے متعدد مسائل میں اختلاف کیا۔

تبصرہ:

اوپر ائمہ اوران کے ممتاز تلامذہ کے اقوال کے جو اقتباسات دیئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ یہ سب حدیث سے تمسک اور کورانہ تقلید سے اجتناب پر زور دیتے تھے۔ یعنی ائمہ کی رائے کو ہی مدار عمل نہ بنائیں۔ (اللہ تعالیٰ ائمہ اوران کے تلامذہ کو دامن رحمت میں جگہ دے) ان کی آراء اور اقوال واضح اور دوٹوک ہیں تعبیر وتشریح میں کوئی ابہام نہیں ہے اور نہ اس تعبیر میں معذرت خواہانہ لہجہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی حدیث پر عمل کرتا ہے جہاں اس کے

Marfat.com

امام کا قول حدیث سے مطابقت نہیں رکھتا تب بھی حدیث پر عمل کر کے وہ شخص اپنے امام اور مذہب مسلک پر ہی عمل کرے گا جیسا کہ ائمہ نے اپنے اقوال سے حدیث صحیح کو ہر حالت میں اپنا مذہب قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ صحیح حدیث کو محض اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کے امام کی رائے اس سے مختلف ہے تو وہ خود اپنے امام کے موقف سے انحراف کرتا ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے وہی میرا مذہب ہے۔ علاوہ ازیں صحیح حدیث کا رد کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عدول حکمی کا مرتکب ہونا ہے۔ (مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی از علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo (النساء: ۶۵)

تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام تنازعات میں تمہیں اپنا حکم نہ بنائیں اور پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اسے خوش دلی سے تسلیم کریں اور کسی قسم کی دل تنگی کا احساس نہ ہو۔

مثال کے طور پر امام محمد ابن الحسن نے امام مالک کی کتاب الموطاء کے تذکرے میں اپنے امام اور استاد ابو حنیفہ کے ۲۰ فتاویٰ سے اختلاف کیا ہے ان میں یہ مسئلہ بھی تھا جس کے بارے میں محمد بن الحسن نے کہا کہ ابو حنیفہ نے یہ نہیں سمجھا کہ استسقاء کی نماز میں امام کو دو رکعت نماز پڑھانی چاہے، دعا کرنی چاہئے اور اپنی چادر کو پلٹنا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ دادا کی وراثت ہے جبکہ متوفی کا باپ بھی فوت ہو چکا ہو ابو یوسف اور محمد دونوں نے اس مسئلہ میں ابو حنیفہ کی رائے کو مسترد کر دیا اور دیگر تینوں ائمہ کی رائے کو اختیار کیا جنہوں نے دادا کو چھٹا حصہ دینے کی تلقین کی جو اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اسے ملتا۔ امام ابن یوسف بلخی جو امام محمد بن الحسن کے شاگرد تھے اور ابو یوسف کے پیرو بھی تھے وہ اکثر ایسے فتوے دیتے تھے جو امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کی رائے سے مختلف ہوتے تھے کیونکہ موخر الذکر کو ایسی بہت سی شہادتیں نہیں ملی تھیں جن سے وہ خود واقف تھے۔ (ابن عابدین رسم المفتی) مثال کے طور پر وہ رکوع میں جانے اور اٹھنے پر رفع یدین کرتے تھے (الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ مقدمہ) کیونکہ صحیح احادیث میں

متعدد صحابہ کرام سے یہ روایت وارد ہے حالانکہ ان کے امام اور دونوں تلامذہ اس کے برخلاف فتویٰ دیتے تھے۔

جو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۝ (النور: ۶۳)

جو لوگ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کا لحاظ نہیں کرتے انہیں خبردار کردو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی فتنہ میں گرفتار ہو جائیں یا شدید عذاب ان پر آ جائے۔

بہر حال تقلید کی ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے ہر شخص مصادر سے رجوع کرے، نہ اس سے مراد یہ ہے کہ علماء و فقہا متقدمین نے جو بھی کام کیے ہم انہیں یک قلم مسترد کر دیں یا ان سے صرف نظر کریں۔ کیونکہ عملی طور پر ایسا کرنا مشکل ہے اور بعض مسائل میں ناممکن بھی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ علماء جن کی دینی علوم کے تمام شعبوں پر نظر ہے انہیں دین کے اصل مراجع کے ساتھ ان ائمہ کی رائے کو بلا لحاظ مسلکی اختلاف کے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علم کی تحصیل و تحقیق میں کسی عالم کو تنگ ذہن نہیں ہونا چاہیے ورنہ اس کے اقوال و آراء پر عصبیت اور جانبداری کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ ہمیں اسے فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک عالم کو علمی تحقیق و جستجو میں علماء متقدمین کی اہم تصنیفات کو بھی کسی نہ کسی طور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ فقہ میں آزادانہ استنباط و استخراج ناممکن ہے اور ایسی ہر کوشش غیر مقبول ہے کیونکہ اس سے انحراف اور بدعت کی راہ کھلتی ہے۔ کسی مخصوص مسئلہ میں ایک صحیح الفکر عالم یا تو علماء متقدمین میں سے کسی ایک کی رائے سے استفادہ کرے گا یا ان کے اجتہاد کو بنیاد بنا کر خود استنباط و استخراج سے کام لے گا، اس طرح وہ ائمہ متقدمین میں سے کسی نہ کسی کی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اتباع کرے گا، اس نوع کی اقتداء کو تقلید قرار نہیں دیا جائے گا جسے ائمہ نے بھی ممنوع قرار دیا ہے اسے اتباع کہا جائے گا جس میں صحیح حدیث ہر رائے یا قول پر فوقیت رکھتی ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اپنی کم علمی کے سبب اس لائق نہیں ہوتا کہ دین کے اصل مراجع سے براہ راست استفادہ کر سکے۔لہٰذا اسے اپنی صلاحیت کے مطابق اتباع پر انحصار کرنا ہوگا۔ بہت سے لوگ احادیث پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کر کے یا جاری شدہ فتوے کے بارے میں علماء سے استفسار کر کے متعلقہ حدیث کی بابت معلومات حاصل کر لیتے ہیں کسی بھی عالم کو شائستگی کے لہجے میں پوچھے گئے ان سوالات سے برہم نہیں ہونا چاہئے اور اگر عوام متعلقہ کتب کے حوالہ کا مطالبہ کریں تو علماء کو ایسی کتابوں کے حوالے دینے چاہئیں جس میں مسئلہ مذکور کی وضاحت کی گئی ہو اور جو عالمانہ ہوں اور مسلکی عصبیت سے پاک ہوں۔ اگر ایسی کتابیں فوری طور پر دستیاب نہ ہوں تب بھی انہیں تقلید سے بچنا چاہئے اور کسی مخصوص مسلک کی کتابوں کا حوالہ نہیں دینا چاہئے۔ جب تک وہ حدیث کی جانب راغب رہیں گے اور مسلکی عصبیت سے بے نیاز ہو کر سنت پر عمل کریں گے اس وقت تک وہ اتباع کریں گے تقلید کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

خلاصہ:

۱- بہت سے لوگ اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں کہ کورانہ تقلید خود ان کے اپنے ائمہ کے قول کی روشنی میں بھی اسلام کی سچی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔

۲- تمام ائمہ اور ان کے ممتاز تلامذہ کے اقوال کتابوں میں محفوظ ہیں کہ وہ کورانہ تقلید پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر زور دیتے تھے کہ کسی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے رجوع کیا جائے جو دین کا اصل سرچشمہ ہیں۔

۳- تمام ائمہ اور ان کے ارشد تلامذہ نے واضح طور پر یہ بات کہی ہے کہ ان کی رائے میں غلطی کا امکان موجود ہے۔

۴- ائمہ اپنی رائے پر صحیح حدیث کو فوقیت دیتے تھے۔ جہاں صحیح حدیث دستیاب ہوگئی تو ائمہ کے تلامذہ نے اسے قبول کر کے اماموں کی اس رائے کو مسترد کر دیا جو انہوں نے اپنی رائے اور قیاس کی بنیاد پر دی۔

۵- صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے امام کی رائے کو ترجیح دینا شرک کی حد تک لے جاتا ہے کیونکہ ایسا شخص اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اتباع سے منحرف ہونے کا مرتکب ہوتا

Marfat.com

ہے۔

۶۔تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اتباع کے جذبہ سے سلف کے فیصلوں پر عمل کریں تا کہ دین کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا رہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ نازل کیں اور سلف تک پہنچیں۔

امت میں اختلافات:

گذشتہ ابواب میں ہم نے فقہ کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ پیش کیا اور یہ دکھانے کی کوشش کی کہ عالم اسلام میں علمی ترقی اور اتحاد کے میدان میں اس سے کیا نتائج برآمد ہوئے۔ یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید سے لے کر ائمہ سلف کے دور تک فکر وخیال میں جو وسعت اور آسانی کا رجحان تھا وہ بتدریج سختی شدت اور عصبیت میں بدلتا گیا۔ گذشتہ ۱۳سو سال کے دوران یہ فقہی مذاہب نہ صرف مسلکی تنازعات کی آماجگاہ بن گئے ہیں بلکہ فقہ اجتہاد کی اس قوت سے محروم ہو چکا ہے جو اس کے وجود اور افادیت کی اصل بنیاد تھی۔ اور اس طرح وہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا ہے۔ اور مسلکی تنازعات فقہ کے جمود اور سختی کی وجہ سے عالم اسلام میں اسلام کو اپنی فطری فراخ دلی حرکی اور خالص کردار کو برقرار رکھنے میں دشواریاں لاحق ہو رہی ہیں۔

کتاب کے اس آخری باب میں ہم علماء سلف اور ان کے تلامذہ کے کردار کی روشنی میں امت میں انحراف والے اختلافات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اگرچہ اختلاف رائے ایک لازمی عنصر ہے لیکن غیر ضروری اختلافات اور تنازعات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے نہ مسلکی مغائرت اسلام کی تعلیم کا حصہ ہے۔

فقہ کے ارتقاء اور اسلام میں ایک مشترک اور مستقل عملی شعبہ کے طور پر فروغ کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ عظام جو ان فقہی مسالک کے بانی تسلیم کئے گئے انہوں نے عام طور پر یہ موقف اختیار کیا:

۱۔ یہ کہ فقہی مسالک جزوی یا مجموعی طور پر اغلاط سے مبرا نہیں ہیں۔

۲۔ کسی فقہی مسلک کی پیروی مسلمانوں کے لئے لازمی نہیں ہے۔

Marfat.com

لیکن تقلید کے پھیلتے ہوئے اثرات نے پوری صورت حال کو یکسر تبدیل کر دیا اور اب صدیوں کے انحطاط کے سبب مسلمانوں میں یہ عقیدہ عام ہو گیا ہے کہ چاروں فقہی مسالک منزل من اللہ اور خطا سے پاک ہیں اور ان کے تمام احکام اور فیصلے (فتوے) درست ہیں اور ہر مسلمان کو کسی ایک مسلک کا پابند ہونا چاہئے کسی کو بھی اپنا مسلک ترک نہیں کرنا چاہئے اور دیگر مسالک سے حسب ضرورت مسئلہ معلوم کرنا اور اسے اختیار کر لینا درست نہیں ہے۔ اس عقیدہ کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان فقہی مسالک کے معصوم (خطا سے پاک) ہونے کو تسلیم نہ کرے یا چاروں مسالک میں سے کسی ایک سے وابستگی کو فرض نہ جانے تو اسے ملعون بدعتی اور مرتد قرار دیا جاتا ہے۔

بیسویں صدی میں ایسے لوگوں کو (جو تقلید کے منکر ہیں) وہابی کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہندو پاکستان میں بھی توہین آمیز لہجہ میں انہیں اہل حدیث کہا جاتا ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں ہی اصطلاحیں صحیح مفہوم کی حامل نہیں ہیں جیسا کہ ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے:

۲۵-۱۹۲۴ء میں محمد بن عبدالوہاب (۱۷۸۷-۱۷۰۳ء) کے پر جوش حامیوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرام اور دیگر صلحاء کی قبروں پر بنے ہوئے گنبد اور عمارات کو منہدم کر دیا۔ یہ نام نہاد وہابی توسل کے بھی خلاف تھے جبکہ وسیلہ اس وقت کے مسلمانوں اور علماء وصوفیاء کے بڑے طبقہ میں بھی مقبول مروج تھا۔ مزاروں سے جذباتی وابستگی اور توسل کا عقیدہ عام مسلمانوں میں سرایت کر چکا تھا لہٰذا جب مزارات توڑے گئے اور توسل سے انکار کیا گیا تو اسے بدعت اور انتہا پسندی کا نام دیا گیا۔ وہابیوں کو ملعون اور مرتد قرار دیا گیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ محمد بن عبدالوہاب جو وہابی تحریک کے بانی تھے وہ فقہ حنبلی کے پیروکار تھے اور ان کے معتقدین آج بھی اسی فقہ کی پابندی کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں بیسویں صدی میں ابن عبدالوہاب کے معتقدین نے مزارات کا انہدام کر کے اور توسل کو مسترد کر کے دین میں غیر اسلامی روایات کا انسداد کرنے کی کوشش کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ بتوں اور مورتیوں کو توڑ دیا جائے اور جو قبریں اونچی بنی ہوئی ہیں انہیں زمین کے برابر کر دیا جائے۔ (ایک صحیح حدیث میں حضرت علی ابن ابی طالب

Marfat.com

رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسلم نے نقل کیا ہے) اس کی تائید ہوتی ہے۔ پس مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ معاندین وہابی سے ملعون بدعتی مراد لیتے ہیں۔

اسی طرح اہل حدیث (اہل الحدیث) ماضی میں ان جید ائمہ اور علماء کو کہا جاتا تھا جو احادیث کی تعلیم و اشاعت میں اپنی زندگی کا بڑا حصہ صرف کرتے تھے جیسے امام مالک اور دیگر علماء حدیث۔ انیسویں صدی میں برصغیر ہندوستان میں ایک انقلابی اصلاحی تحریک برپا ہوئی جس کا مقصد مسلمانوں کو قرآن وسنت کی طرف مراجعت پر آمادہ کرنا تھا کیونکہ قرآن وسنت ہی فقہ اسلامی کے اصل مآخذ ہیں لیکن فقہی مذہب کی کورانہ تقلید نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ آج کے شدت پسند مقلدین نے ان لوگوں کو اہلحدیث کا نام دیا ہے جو کسی فقہی مذہب سے وابستگی کے منکر ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ فقہی مذاہب کے ارتقاء اور اسی کے ساتھ فقہ کے فروغ کے نتیجہ میں جو طائفہ اسلام کی سچی روح اور تعلیمات سے منحرف ہے وہ وہابیوں یا اہل حدیثوں کا نہیں ہے بلکہ وہ طبقہ ہے جو اس بات پر شدت سے اصرار کرتا ہے کہ مسلمانوں کا چاروں فقہی مذاہب میں سے کسی ایک سے وابستہ ہونا لازمی ہے۔ نیز وہ لوگ ان فقہی مذاہب کے معصوم عن الخطا ہونے پر بھی کورانہ عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ ان مسالک میں کئی ایسے فتوے سامنے آچکے ہیں جو قوانین شریعت سے مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ کورانہ تقلید کے داعی ہیں وہ چاروں ائمہ کے مسلک کے برحق ہونے پر مخلصانہ عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی صفوں میں متعدد عالم بھی موجود ہیں۔ [1]

لہٰذا وہ لوگ جو تقلید پر اصرار کرتے ہیں وہ ان فقہی مذاہب کے درمیان معروف اختلافات کو دیکھتے ہوئے بھی کیا ان مذاہب کے معصوم (غلطی، خطا ونسیان سے بری) ہونے

۱۔ توحید اور اجتہاد کے مصنف عنوان توحید کو چار مذاہب میں محدود کردیا گیا'' کے تحت لکھتے ہیں ''تقلید کے واجب ہونے کے عقیدہ سے یہ ظاہر ہوا کہ مختلف فتووں سے انتشار پھیلتا ہے لہٰذا یہ لازم ہوا کہ مذہب (مسلک) کی تقلید جو اصول وفروع پر مرتب ہوا ہے ایسا بنایا جائے کہ ہر سوال کا جواب میسر ہو سکے تاکہ کسی خارجی مصدر کی ضرورت نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ہمہ جہتی صلاحیت ان ہی چار مذاہب میں پائی جاتی ہے لہٰذا ان چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا لازمی ہے۔ (مولانا محمد مسیح اللہ خاں شیروانی کی کتاب تقلید اور اجتہاد پورٹ الیزبتھ جنوبی افریقہ مطبوعہ مجلس علماء جنوبی افریقہ ص ۱۳)

Marfat.com

کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کس طرح یہ دونوں باتیں بیک وقت تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ان میں سے بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ فقہی مذاہب تقدیر الٰہی ہیں اور خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وجود پذیر ہونے کی خبر دی تھی۔ یہ لوگ اکثر اس حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی دلیل کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔[۱] اختلاف امتی رحمۃ (بیہقی) (میری امت میں اختلاف رائے رحمت ہے۔[۲] میرے صحابہ کے درمیان اختلاف ہونا تمہارے لئے باعث رحمت ہے۔[۳]

۱۔اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم (۴) میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے (۵)۔ بیشک میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم ان کے جس قول پر عمل کرو گے ہدایت کی راہ پاؤ گے۔ (الخطیب بغدادی نے ابن عباس سے روایت کیا)

میں نے اپنے رب سے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں جن پر میرے بعد میرے اصحاب میں اختلاف پیدا ہوگا میرے معبود نے فرمایا اے محمد تمہارے اصحاب آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں کوئی زیادہ روشن ہے کوئی کم۔ لہٰذا جو شخص کسی ایسی بات کو اختیار کرے گا جس پر انہوں نے اختلاف کیا وہ بھی ہدایت پائے گا۔ (سلسلۂ احادیث الضعیفہ ج ص ۸۱-۸۰)

لیکن ایسی احادیث کو مسلکی تنازعات کے جواز میں پیش کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ

۱۔مثال کے طور پر یہ حدیث جسے ابن خطیب نے ابو ہریرہ کی روایت کی بنیاد پر نقل کیا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ابو حنیفہ نامی ایک شخص ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔ الخطیب نے خود لکھا ہے کہ الحاکم نے اسے موضوع قرار دیا ہے جو محمد بن علی المرویزی کی موضوعات میں سے ہے۔ (محمد بن علی الشوکانی الفوائد المجموعہ۔ بیروت المکتب الاسلامی دوسرا ایڈیشن)

۲۔الخطیب نے انس کی روایت سے ایک اور حدیث نقل کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص نعمان بن ثابت ہوگا جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی وہ اللہ کے دین اور میری سنت کا احیاء کرے گا۔ اس کے راویوں میں احمد الجوامیری بھی ہے جو ایک معروف وضاع حدیث ہے۔ اسی طرح محمد بن یزید السلمی نام بھی ہے جس کی روایت حدیث کو محدثین نے نا قابل قبول (متروک) قرار دیا ہے۔ (تنزیہہ الشریعہ المرجوعہ علی ابن اسحاق)

۳۔محدث السبکی سے المناوی نے نقل کیا۔

Marfat.com

ان کے صحیح اور مستند ہونے کا واضح ثبوت دیا جائے۔ جید علمائے حدیث نے اس نوع کی حدیثوں پر تحقیق کی ہے اور جو نتائج اخذ کیے وہ درج ذیل ہیں:

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں ائمہ اور فقہی مسالک کے برپا ہونے کی بات کہی گئی ہے ان میں کسی مخصوص امام یا فقہی مسلک کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ جتنی صحیح احادیث اس عنوان پر ہیں وہ عمومی نوعیت کی ہیں جن احادیث میں مخصوص امام یا مسلک کی بات کہی گئی ہے وہ سب موضوع ہیں۔

جہاں تک اوپر مذکورہ حدیث نمبرا کا سوال ہے تو اس کے راویوں کا سلسلہ کسی سے بھی نہیں ملتا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے (مرفوع) کا تو سوال ہی نہیں۔ حدیث کے کسی مجموعے میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ (۴) لہٰذا اسے حدیث قرار دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ موضوع (جعلی) ہے۔ جہاں تک اوپر مذکور دیگر احادیث کا تعلق ہے اگر چہ یہ احادیث کے مجموعے اور احادیث سے متعلق دیگر کتب میں نقل کی گئی ہیں لیکن ان کی بابت تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ سب غیر مستند ہیں۔ پہلی کے بارے میں محدثین کا قول ہے کہ یہ واضح طور پر انتہائی ضعیف ہے۔ دوسری اور تیسری کو محدثین نے موضوع (جعلی) قرار دیا ہے اور چوتھی باطل ہے۔

لہٰذا ان اقوال کو امت میں اختلافات کے حق میں پیش کرنا قطعی نا قابل قبول ہے کیونکہ یہ سب موضوع ہیں۔

نہ صرف یہ کہ یہ احادیث موضوع ہیں بلکہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے یہ قرآن عظیم کے فرمان سے متصادم بھی ہیں۔ قرآن عظیم کی ۱۱۴ سورتوں میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے مذہبی اختلافات کو مردود اور ممنوع قرار دیا ہے اور اتحاد و اتفاق کا حکم دیا ہے۔

مندرجہ ذیل آیتوں میں اختلاف اور نفاق سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. (الانفال: ۴۶)

(آپس میں تنازع مت کرو اس سے تمہارا نقصان ہوگا اور دبدبہ ختم ہو جائے گا)

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ م بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ○ (الروم: ۳۲-۳۱)

Marfat.com

ان مشرکین طرح مت ہو جانا جنہوں نے اپنے مذہب کو فرقوں میں تقسیم کرلیا۔ اور ہر فرقہ کے پاس جو کچھ ہے اس پر خوش ہے۔

مضمر طور بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے: لَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ. (ہود: ۱۱۹-۱۱۸) اگر تیرا رب چاہتا تو تمام بنی آدم کو ایک قوم (امت) بنا دیتا لیکن پھر بھی ان میں اختلاف باقی رہتا ماسوائے ان کے جن پر اللہ کا فضل و رحمت ہوتی۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے لوگوں کے درمیان اختلاف کو ختم نہ کرتا جیسا کہ آیت مذکورہ سے واضح ہے تو ہر اختلاف رحمت کیسے ہو سکتا ہے؟ مندرجہ ذیل آیات قرآنی اور دیگر مقامات بھی اللہ تعالیٰ نے اتحاد اور اتفاق کا حکم دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا. (آل عمران: ۱۰۳)

تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اختلاف مت کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور تم بھائی بھائی بن گئے۔

صحابہ کے درمیان اختلافات:

قرآن مجید کے ان واضح احکام کے پیش نظر کیا ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہا متقدمین کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کا جواز پیش کر سکتے ہیں؟

صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف رائے ہوا وہ بیشتر فطری اور ناگزیر نوعیت کا تھا۔ یہ اختلاف آیات قرآنی اور احادیث کی تعبیر و تفسیر میں ان کے استدلال کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اختلافات کے بعض دیگر وجوہات بھی تھے جو بعد کو ختم ہو گئے۔ مثال کے طور پر احادیث کی کثرت کے سبب ہر صحابی کو ہر ایک حدیث کا علم نہیں تھا اور اسکی وجہ سے بعض متنازعہ فیصلے بھی کیے گئے۔ ان غلط فیصلوں یا دیگر اس نوع کی غلطیوں کے لئے انہیں ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ یہ ارادتاً یا شعوری طور پر نہیں کیے گئے۔ علاوہ ازیں جب انہیں صحیح خبر یا بہتر شہادت مل جاتی تھی تو وہ اسے

Marfat.com

قبول کر کے اپنی غلطی کو درست کر لیتے تھے۔ غلط فیصلے سے رجوع کر لینا اور حق کی جستجو یہ ایسا جذبہ تھا جس نے ان اختلافات اور متنازعہ فیصلوں کو اس زمرہ سے خارج کر دیا جنہیں ملعون اور مردود ٹھہرایا گیا۔ اس بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی قاضی پورے غور و فکر کے بعد کوئی صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اسے دوہرا ثواب ملے گا لیکن اگر وہ غور و فکر کے بعد کوئی غلط فیصلہ کرتا ہے تب بھی اسے ایک ثواب ملے گا۔

(عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت پر اسے بخاری نے نقل کیا ہے)

اس حدیث کی بنیاد پر صحابہ کرام کسی بھی متنازعہ فیصلے پر مورد الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔ تاہم ان کی غلطیوں یا متنازعہ فیصلوں کی نہ ستائش کی جا سکتی ہے نہ انہیں برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ در حقیقت وہ خود ان اختلافات کو ناپسند کرتے تھے جیسا کہ امام شافعی کے شاگرد المزنی کی روایت سے ظاہر ہے۔ دو صحابہ ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے پر تنازعہ ہوا تو عمر بن الخطاب کو اس پر غصہ آیا۔ حضرت ابی بن کعب اسے بالکل درست قرار دیتے تھے جب کہ ابن مسعود کا اصرار تھا کہ یہ اس وقت درست تھا جب کپڑے کی قلت تھی۔ حضرت عمر بن الخطاب غصہ میں بھرے ہوئے اپنے گھر سے باہر آئے اور فرمایا کہ یہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اصحاب جنہیں لوگ اچھی طرح جانتے اور پیروی کرتے ہیں آپس میں اختلاف کرتے ہیں، ابی کی بات صحیح ہے اور ابن مسعود کو باز رہنا چاہئے اگر اس کے بعد میں نے اس موضوع پر لوگوں کو اختلاف کرتے دیکھا تو میں سختی سے پیش آؤں گا۔ (جامع بیان العلم: ج ۲ ص ۸۳-۸۴)

در حقیقت علماء متقدمین صحابہ کے درمیان اختلافات کی نوعیت سے پوری طرح آگاہ تھے اور بعض لوگوں کی اس ذہنیت سے بھی کہ وہ ان اختلافات کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس بارے میں واضح طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا تاکہ مسلکی مغائرت اور ادعائیت کو روکا جا سکے جو کہ صحابہ کے اختلاف رائے کی بنیاد پر زندہ رہتی ہے۔ اس عنوان پر ان کے واضح موقف کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ امام مالک کے ممتاز شاگرد ابن القاسم کا کہنا ہے کہ میں نے امام مالک اور اللیث کو صحابہ کے درمیان اختلاف رائے کی بابت یہ کہتے سنا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس

Marfat.com

میں (صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہیں) ان کے لئے ایک نئی راہ نکلتی ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ صحیح اور غلط فیصلے کا ہے۔ (جامع العلم: ج۲ص۸۲-۸۱)

امام مالک کے ایک اور شاگرد اشہب نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی شخص کسی ایسے فیصلے پر عمل کر کے محفوظ رہ سکتا ہے جسے معتبر راویوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے روایت کیا ہو۔ امام مالک نے فرمایا نہیں۔ واللہ اس وقت تک نہیں جب تک یہ صحیح ثابت نہ ہو جائے، صداقت صرف ایک ہی ہوتی ہے کیا دو متضاد آراء بیک وقت سچ یا صحیح ہو سکتی ہیں جو رائے صحیح ہے وہ تو صرف ایک ہی ہو گی۔ (جامع البیان العلم: ج۲ص۸۹-۸۲)

امام شافعی کے شاگرد المزنی نے اسے یوں بیان کیا۔ صحابہ کرام نے وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور ایک دوسرے کو غلط بتایا۔ بعض نے دوسروں کی رائے کی تحقیق و جستجو کی لہٰذا اگر وہ سب یہ سمجھتے کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ صحیح ہے تو پھر ایک دوسرے کی آراء کی تحقیق و تفتیش کیوں کرتے اور کیوں ان کی رائے کو غلط قرار دیتے۔ المزنی نے یہ بھی کہا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اگر دو علماء کسی ایک مسئلے پر غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں ایک کے نزدیک وہ حلال ہے اور دوسرے کی رائے میں وہ حرام ہے تو دونوں آراء صحیح ہوں گی۔ تو اس شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ یہ بات قرآن وسنت کی بنیاد پر کہہ رہا ہے یا قیاس کے تحت۔ اگر وہ یہ کہے کہ یہ اصول (قرآن و سنت) کی بنیاد پر ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ قرآن عظیم میں اختلاف کی مذمت کی گئی ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ یہ قیاس کی بنیاد پر ہے تو اس سے سوال کیا جائے کہ جب قرآن مجید اختلاف کو مسترد کرتا ہے تو تم اپنے طور پر اسے جائز کیسے قرار دے سکتے ہو۔ کوئی بھی شخص جس میں عقل ہو اس کی تائید نہیں کر سکتا نہ کہ کوئی عالم ایسا کہے گا۔ (جامع البیان العلم)

اگرچہ صحابہ کرام بعض اصولوں کے اطلاق میں اختلاف کرتے تھے لیکن وہ اسی بات کی انتہائی کوشش کرتے تھے کہ اختلاف کو اس حد تک نہ جانے دیا جائے جس سے ان کی صفوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو جائے لیکن بعد کے فقہا اور ان کے متبعین جنہوں نے فقہی مذہب ورثے میں پایا تھا اور اس سے کورانہ اور ادعائیت کے انداز کی وابستگی رکھتے تھے، ان کی روش اس کے بالکل برعکس تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ان کے اختلافات اس حد تک پہنچے کہ نماز کے بارے

Marfat.com

میں بھی جو اسلام کا سب سے اہم بنیادی ستون ہے ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔

علماء متاخرین میں جو قدامت پسند اور فقہی مذہب کے متشدد پیروکار تھے انہوں نے بعض اوقات اختلافات کو ایسی انتہائی حدوں تک پہنچا دیا جس سے امت کا اتحاد بھی خطرے میں پڑ گیا۔ مثال کے طور پر ائمہ متقدمین میں صرف امام ابوحنیفہ کی یہ رائے تھی کہ ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے کوئی شخص یا تو مومن ہوگا یا کافر۔[1] امام ابوحنیفہ کے اس فتویٰ کی بنیاد پر علماء متاخرین نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر کسی شخص سے یہ پوچھا کہ کیا تم مومن ہو اور وہ یہ کہے کہ انشاء اللہ میں مومن ہوں تو ایسا کہنا حرام ہے کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس شخص کو اپنے ایمان کی بابت یقین نہیں ہے۔[2] اور علماء کے اجماع کے مطابق ایمان کے بارے میں شک وشبہ رکھنا کفر ہے لہٰذا اس شخص کو یہ کہنا چاہئے کہ بلاشبہ میں مومن ہوں۔ اس فتویٰ کا مضمر لیکن غیر اعلان شدہ مفہوم یہ ہوا کہ دیگر مسلک کے ماننے والے اپنے ایمان کے بارے میں مشکوک ٹھہرے لہٰذا وہ کافر ہوئے حالانکہ حنفی مسلک کا ابتدائی طور پر یہ موقف نہیں تھا لیکن بعض متاخرین علماء نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایک حنفی کو کسی شافعی سے شادی کرنا ممنوع ہے جبکہ اس وقت مسلک شافعی دوسرا اہم ترین فقہی مذہب تھا۔ بعد کو حنفی مسلک کے علماء نے اس فیصلہ کو منسوخ کر دیا۔[3] لیکن تاریخی شہادت کے طور پر یہ بات آج بھی مسلکی تنازعہ کو ظاہر کرتی ہے۔

۱۔ یہ موقف قرآن وسنت دونوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ لوگ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس دشمن سے خبردار رہو جو تم پر حملہ کرنے کے لئے اکٹھا ہو رہا ہے تو ان کا ایمان بڑھتا ہے۔ (آل عمران: ۱۷۳) دوسری جگہ ارشاد ہے: جب اللہ کی آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی اولاد اور والدین اور ساری مخلوق سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہاں انکار سے مراد کامل ایمان کا نہ ہونا ہے نہ کہ بالکل ہی ایمان کا نہ ہونا۔ ورنہ ہم میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ اس حدیث کو صحیحین میں نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ یہ استدلال اس حدیث کے یکسر خلاف ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ السلام علی المومنین ھو الدیار

۳۔ یہ فتویٰ معروف حنفی عالم مفتی الثقلین نے دیا تھا انہوں نے شافعی عورت سے شادی کی اجازت اہل کتاب (عیسائی یہودی) عورت سے شادی کی نظیر کے تحت دی۔ سولہویں صدی عیسوی کے مصری حنفی عالم نے بحرالرائق کی آٹھویں جلد میں اسے ضیاء الدین ابن نوجم سے نقل کیا ہے۔ اس کا مضمر مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی حنفی عورت کسی شافعی مرد سے شادی نہیں کر سکتی جیسا کہ وہ کسی عیسائی یا یہودی مرد سے رشتہ ازدواج قائم نہیں کر سکتی۔

Marfat.com

خلاصہ:

۱- مسلمانوں کا عمومی موقف یہ ہے کہ چاروں فقہی مذہب معصوم عن الخطا ہیں اور ہر مسلمان پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے کسی شخص کو بھی اپنا مذہب (مسلک) تبدیل نہیں کرنا چاہئے نہ دوسرے مسلک سے فتویٰ لینا چاہئے۔ [۱]

۲- جو شخص ان فقہی مذاہب کے خطا ونسیان سے پاک ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا یا ان مسالک کی تقلید نہیں کرتا اسے عام طور پر (اور غلط طور پر) بدعتی قرار دیا جاتا ہے یا پھر وہابی یا اہل حدیث (غیر مقلد) کا نام دیا جاتا ہے۔

۳- جو احادیث فقہی مسالک کی تائید میں بیان کی جاتی ہیں وہ یا تو غیر مستند ہیں یا پھر ان کی غلط تعبیر کی جاتی ہے۔

۴- قرآن عظیم میں واضح طور پر اختلاف اور افتراق کی مذمت کی گئی ہے۔

۵- صحابہ کرام میں جو اختلاف رائے تھا وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی رسائی اور ان کی تعبیر وتشریح میں ان کی صلاحیت کی وجہ سے تھا، ان کی رائے میں شدت یا جمود نہیں تھا اور شہادت ملنے پر اپنی رائے تبدیل کر لیتے تھے۔

۶- علماء متقدمین کا موقف یہ تھا کہ صحابہ کی وہ آراء اور فیصلے تسلیم کئے جائیں گے جن کی صحت مسلم ہو چکی ہو۔

۷- صحابہ کرام کے درمیان اختلاف رائے انتشار کا باعث نہیں بنا جبکہ فقہا متاخرین کے درمیان اختلاف انتشار اور عدم اتحاد کا عنوان بن گیا۔

۱۰- اختتام:

سابقہ ابواب میں ہم نے دیکھا کہ مذہب کو مندرجہ ذیل عوامل کے سبب چار مراحل سے

---

(۱) تقلید اور اجتہاد کے مصنف نے نومسلم کا مذہب کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے شہر میں مقیم ہو جہاں کسی خاص فقہی مذہب کا غلبہ ہے تو وہ اس غلبہ کے تحت اس مسلک پر عمل کرے گا لیکن اگر وہ کسی ایسے مقام پر ہے جہاں متفرق فقہی مذاہب کا چلن ہے اور غلبہ کے اعتبار سے سب کم وبیش برابر ہیں تو وہ کسی فقہی مسلک پر جو اس کے لئے پسندیدہ ہو عمل کر سکتا ہے۔ ہر ایک دفعہ کسی فقہی مذہب کو قبول کرنے کے بعد اسے اس پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔ ص ۱۴۳

Marfat.com

گزرنا پڑا۔ اسلامی ریاست کے حالات (اتحاد/انتشار) مذہبی قیادت کا مقام متحد اور قدامت پسند۔ فرقہ بندی اور غیر قدامت پسندی) علماء اور فقہا کے درمیان رابطہ۔ جب ریاست متحد تھی تو قیادت بھی متحد تھی اور علماء کا ایک دوسرے سے رابطہ تھا اور اس سے ترسیل وابلاغ میں آسانی ہوتی تھی۔ اس وقت مذہب صرف ایک تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا خلفاء راشدین کا عمل۔ اس کے بعد اموی اور عباسی خلفاء کے دور میں سیاسی انتشار شروع ہوا۔

یہ انتشار سیاسی اور مذہبی دونوں سطح پر رونما ہوا اور پوری خلافت میں متعدد علماء کا اثر زوال پذیر ہونے لگا۔ نتیجہ کے طور پر متعدد فقہی مذاہب رائج ہو گئے۔ علماء مجبور تھے کہ دیگر علماء سے صلاح و مشورہ کے بغیر فتویٰ جاری کریں کیونکہ اب رابطہ کی آسانیاں باقی نہیں رہی تھیں، اپنی روایتی خصوصیات کے مطابق ان علماء اور فقہا کی رائے میں شدت نہیں تھی اور صحیح حدیث سامنے آنے پر وہ اپنی رائے تبدیل کر لیتے تھے اور حدیث کو ہی مدار عمل قرار دیتے تھے۔ خلفاء عباسیہ کے آخری دور میں علماء سیاسی رقابت کا شکار ہو گئے جو خلافت کے متعدد دعویدار پیدا ہونے کے سبب ابھری۔ جب دربار خلافت میں عقائد پر بحث و مباحثہ کی سرپرستی کی جانے لگی تو اس سے صورت حال اور بھی خراب ہو گئی کیونکہ ان بحثوں میں جو شخص جیت جاتا تھا اسے اور اس کے مسلک کو شاہی خوشنودی حاصل ہوتی تھی۔ اس کے بعد (جنونی) انداز کی مسلکی فرقہ بندی کا آغاز ہوا جس میں چاروں فقہی مذاہب کے علماء نمایاں نظر آتے ہیں۔

حرکی فقہ:

آج صورت حالات مذکورہ بالا مراحل کا امتزاج ہے ترسیل کی عام آسانیوں کے سبب اب علماء کے درمیان روابط کا مرحلہ بہت آسان ہو گیا ہے۔

لیکن جب قوم پرستی کا رجحان غالب ہوا اور مسلم ریاستیں اپنے سیاسی و اقتصادی نظام وضع کر کے تقسیم کا شکار ہو گئیں تو علماء کا اثر و اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی کا اندازہ ۸۰ کروڑ سے ایک ارب تک لگایا جاتا ہے: اس امت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور قرآن و سنت سے ابدی وابستگی نے ایک رشتہ میں باندھ رکھا ہے۔ ہر ملک میں مذہبی قیادت چاروں فقہی مذاہب میں سے کسی ایک کی پابند ہے اگرچہ ماضی کی

Marfat.com

مسلکی شدت باقی نہیں ہے تاہم بدقسمتی سے مسلکی تقسیم اب بھی باقی ہے۔

تاہم اس صدی کے وسط سے بعض حوصلہ مندانہ آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد کا وہ جذبہ جو اسلام کا ایک بنیادی عنصر ہے پیدا ہو رہا ہے اور وہ دین کو اپنے ذاتی اقتصادی کاروباری اور قومی امور میں فیصلہ کن عامل کی حیثیت سے اہمیت دینے لگے ہیں۔ مسلمانوں میں تہذیبی تکثیر اور ان کی آبادی میں ابھرتے ہوئے روزمرہ زندگی کے گوناگوں مسائل کو دیکھتے ہوئے ممتاز علماء کی رائے ہے کہ اسلام کو اس دور میں نظام حیات کے طور پر از سرنو برپا کرنے کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ اس حرکی فقہ کا احیاء کیا جائے جو امت کے اس دور میں رائج تھا جسے دور عروج کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام فقہی مذاہب کو یکجا کیا جائے مسلکی اختلاف وانتشار کے تمام نشانات مٹا دئے جائیں اور فقہ کو حرکی انداز اور رجحان دینے کے لئے اجتہاد کی روح کو زندہ کیا جائے تاکہ علماء اور فقہا انفرادی طور پر بھی اجتہاد کر کے مسلمانوں کے مسائل کا حل تلاش کریں خواہ ان کا تہذیبی اور اقتصادی اور سیاسی ماحول کیسا ہی کیوں نہو۔

اس اصلاحی قدم کے اثرات بلاشبہ بے حد اہم ہوں گے ان لوگوں کے لئے جو دائرہ اسلام میں نئے داخل ہوئے ہیں اور ان کے لئے بھی جو اسلام کے دامن عافیت وعاطفت میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے جو نو مسلم ہیں۔ انہیں مختلف فقہی مذاہب کے متضاد فیصلوں اور فتووں کی بھول بھلیوں میں نہیں بھٹکنا پڑے گا۔ جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ بھی فقہی مذاہب کے تنازعات سے بامون رہیں گے اور فقہی مسلک کو مسترد کرنے کے رجحان کو بھی فروغ نہیں ہوگا کیونکہ اس قسم کے منفی رویہ سے ہم فقہائے متقدمین کی عظیم خدمات کا انکار کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مجوزہ اقدامات:

ایک جامع اور متحدہ فقہ کی تدوین کے ساتھ اس حرکی اور تابندہ فقہ کے تحت سرگرم اور فعال مسلم یونٹ اور کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی جو بنی نوع انسان کی عمومی فلاح کے لئے کام کریں گی اسلام اور اس کی تعلیمات کو عالمی طور پر روشناس کرائیں گی۔ فقہ کی مجموعی تدوین کے مرحلہ کو کس طرح انجام کو پہنچایا جائے اس کے لئے اقدامات کریں گے۔ پہلے مرحلہ میں فقہی مذاہب کے

Marfat.com

پیروان کے درمیان اختلافات کو دور کرنے کے لئے سعی کی جائے گی اور اس کے لئے متقدمین فقہا کی آرا اور اقوال کو پیش کیا جائے گا کہ کس طرح وہ اختلافات اور انتشار سے بچنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ گرامی مرتبت فقہاء کے یہ اقوال سابقہ ابواب میں نقل کئے گئے ہیں۔

اس اقدام کو شروع کرنے کے لئے روشن خیال قیادت درکار ہوگی جوان، ممتاز ترقی پسند اور اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے سکالر اور علماء کے درمیان سے ابھرے گی جن میں اس اسکیم کے نفاذ کا پرجوش جذبہ ہوگا اور وہ اس منصوبہ کو بروئے عمل لانے کے لئے دیگر جماعتوں سے بات کریں گے جنہیں اس کام میں دلچسپی ہے اور اس رابطہ کے ذریعہ منصوبہ تنظیمی اور دیگر طریق کار کی بابت تفاصیل مرتب کی جائیں گی۔ مسائل کے حل کے لئے جدید اسلوب (تکنیک) کو اپنایا جائے گا ان اقدامات میں پیش آنے والی دشواریوں کی معروضی وضاحت بھی شامل ہے۔ مسائل کے حل کے لئے منصوبوں اور طریق عمل کو بروئے کار لانے کے امکانی راستوں کا تعین اور ان مسائل کا حل تلاش کر کے ان کے نفاذ کے لئے اقدامات کریں گے۔ ان اقدامات کو بروئے عمل لانے کی غرض سے وہ مناسب اور معقول راستہ اختیار کیا جائے گا جو مقصد برآری کے لئے سب سے زیادہ مفید ہو۔ منصوبہ بندی کی ہر سطح پر ان اقدامات کا جائزہ لیا جاتا رہے گا کہ مسائل اور حصول مقصد کے لئے وہ کس قدر موثر ثابت ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے فقہی مذاہب کی یکجہتی اور ایک زندہ و فعال فقہ کا فروغ مسائل کے حل میں رکاوٹ نہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ سب امکانیات کے دائرے میں ہیں۔

نظریاتی سطح پر فقہی مذاہب کے درمیان تعبیر و تشریح کے اختلافات اور ان کے اطلاق سے متعلق تجاویز پیش کرنا نسبتاً آسان ہے۔ مندرجہ ذیل فارمولہ (طریق عمل) جو علماء فقہا متقدمین کے منہج کے مطابق ہے روشن خیال مسلم علماء اور دانش وروں نے اسے بروئے عمل لانے کی شفارش کی ہے۔

تضاد اور تصادم کی نوعیت رکھنے والے اختلافات:

فقہی مذاہب کے تحت جو فتوی جاری کئے جاتے ہیں ان میں اختلاف دو قسم کی نوعیت کے ہوتے ہیں:

Marfat.com

اول: اختلاف تعدد۔ متضاد انداز کا اختلاف ۔ ایک ایسا فتویٰ جو پوری طرح مخالف نوعیت کا ہے اور منطقی طور پر بیک وقت اسے صحیح نہیں ٹھہرایا جا سکتا مثلاً ایک فقہی مذہب کے تحت ایک چیز کو حلال قرار دیا جاتا ہے جبکہ دوسرے مسلک کا فتوی اسے حرام قرار دیتا ہے۔

دوسری نوعیت کے اختلاف: (اختلاف تنوع) میں اور ایسی متفرق نوعیت کی آراء پیش کی جاتی ہیں جو منطقی طور پر بیک وقت درست ہو سکتی ہیں مثلاً نماز کے دوران حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کے مختلف انداز۔ مختلف فقہی مذاہب نے ان میں سے کسی ایک انداز نشست کو اپنایا ہے۔

بعض اوقات الفاظ کے معنی یا قواعد (صرف ونحو) کی تراکیب کے سبب بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ متعدد ایسی احادیث ہیں جن کے معنوں کی صراحت کی گئی ہے لہٰذا ان کے اسی واضح مفہوم کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ اسی طرح ایسے فتوی جو کسی صحیح حدیث کے دستیاب نہ ہونے کے سبب یا ضعیف احادیث کی بنیاد پر یا ان شرائط کے تحت جو مستند روایات کو منقطع کرتی ہیں ایسے تمام فتووں کو ناجائز سمجھنا چاہئے۔ اور ان دیگر ائمہ کی آراء (فتوی) کو قبول کیا جائے جسکی بنیاد صحیح حدیث پر ہے۔ جہاں تک اس فتویٰ کا تعلق ہے جو غیر محدود قیاس کے نظریے کے تحت دیا گیا ہے قرآن عظیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اجماع کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جانا چاہئے جو آراء اور فتویٰ اس معیار پر پورے اتریں انہیں قبول کرلیا جائے ورنہ انہیں مسترد کر دیا جائے۔

اوپر مذکورہ امور میں جو حل تجویز کئے گئے ہیں ان کے علاوہ بعض اسے امور بھی ہیں جن کی بابت آراء اور فتوؤں کی قرآن وسنت اجماع صحابہ اور قیاس سے تائید ہوتی ہے ان مختلف آراء کو اپنے متبادل سمجھنا چاہئے جنہیں حالات کی نوعیت کے اعتبار سے روبعمل لایا جاتا ہے یہ ان آراء میں سے ہیں جنہیں منطقی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے اور مذاہب میں اختلافات کے دوسرے زمرے کے تحت درج کیا گیا ہے۔

فقہی مذاہب میں واقع ہونے والے اختلافات کو ان اداروں کے ذریعہ طے کیا جانا چاہئے جو فقہ کے معروضی مطالعہ میں مصروف ہیں۔ یعنی ایسے تعلیمی ادارے جہاں کسی مخصوص

Marfat.com

فقہی مذہب کو دیگر مذاہب پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ تب ہی اسلامی قوانین کا ان کے اصل مآخذ کے حوالے سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور ان کا معروضی اور عقلی بنیاد پر جائزہ لیا جاسکتا ہے جیسا کہ سابقہ ابواب میں ذکر کیا گیا۔ اگر ان تعلیمی اداروں کا معیار اعلیٰ ہے تو مذاہب کی یکجائی کا اہم ترین کام کامیابی کے ساتھ یہاں کیا جاسکتا ہے۔

ایک ہمہ جہت فقہی مذہب جو مسلکی تنازعات سے کلیتاً آزاد ہو اور مستحکم علمی بنیادوں پر قائم ہو وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے قابل اعتبار قیادت فراہم کرسکتا ہے بلکہ ان تمام دینی و اصلاحی تحریکوں کو بھی مضبوط رہنما خطوط فراہم کرسکتا ہے جو مستحکم حکومتوں کے لئے قوانین شریعت کو ہی ایک جائز بنیاد سمجھتی ہیں اور ان کے نفاذ کے لئے سرگرم ہیں مذاہب کی یکجائی و یک جہتی کے عمل میں کامیابی اور قوانین شریعت کے عملی نفاذ کے بعد ہم امت کے اتحاد کی طرف اعتماد کے ساتھ قدم بڑھا سکتے ہیں۔ اور پھر خلافت یعنی خلافت صادقہ کے قیام کی طرف قدم بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس طرح اللہ کی مرضی کے مطابق اللہ کی زمین پر اللہ کی شریعت کے نفاذ کے لئے بنیاد فراہم کی جاسکے گی۔

☆☆☆

Marfat.com

فقہی مذاہب کا ارتقاء

علامہ ابوامینہ بلال فلپس

Marfat.com